سلسلہ اشاعات انجمن مؤید العلوم و دار التالیف مدرسۃ الواعظین لکھنؤ

کا

بیالیسوان نمبر

اسلامی جہاد

از عالیجناب مولانا السید اختر علی صاحب تلہری
معلم السنہ مشرقیہ گورنمنٹ جوبلی کالج لکھنؤ

جسکو

جناب سکریٹری صاحب دار التالیف نے

سرفراز قومی پریس لکھنؤ مین چھپوا کر شائع کیا
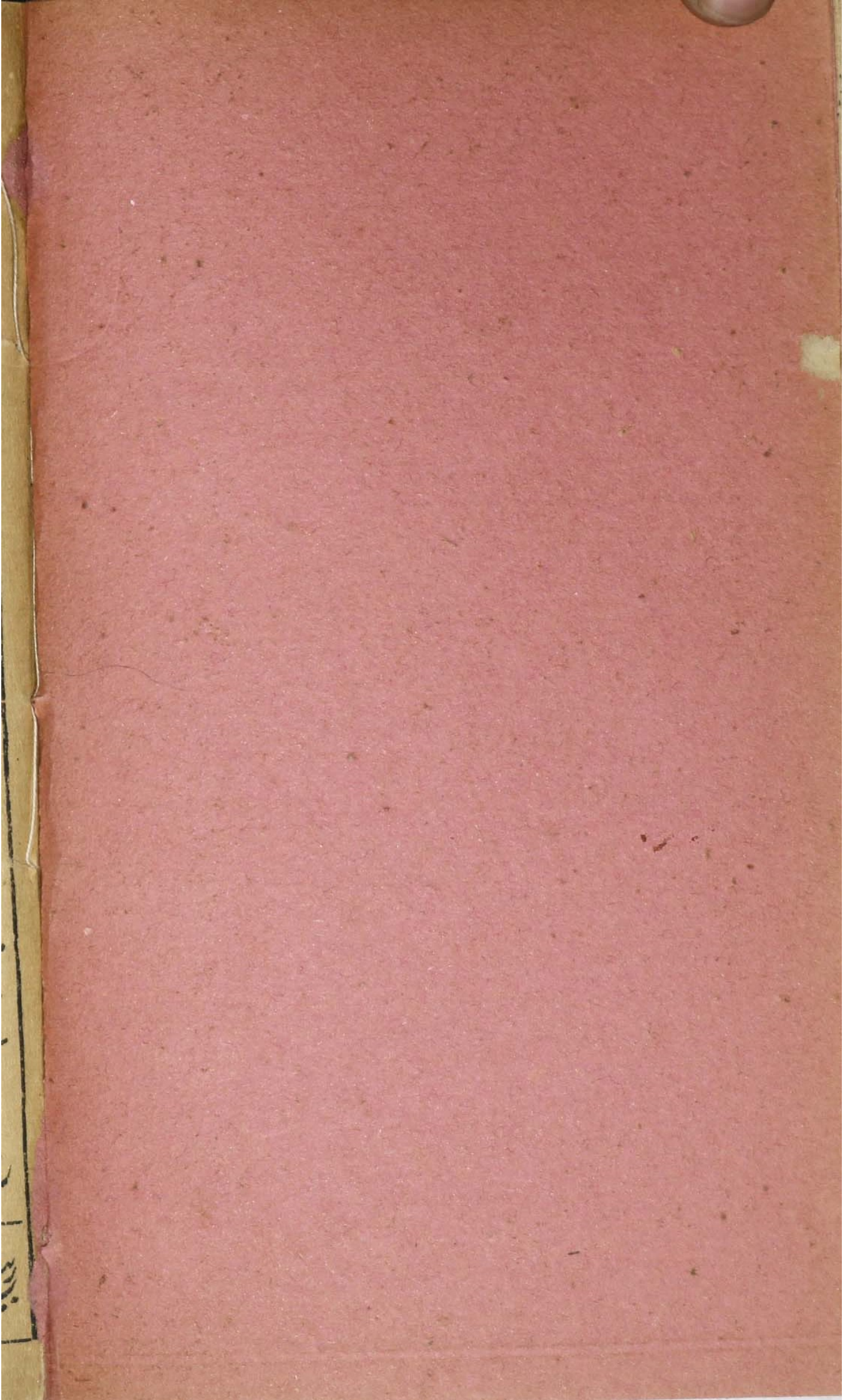
ان الدین عند اللہ الاسلام

انبیا کی بعثت کی غرض

یوں تو ابتک دُنیا میں جتنی "مبعوث من اللہ" ہستیوں نے قدم رکھا ہی۔ اُن کی تعلیمات کا یہ روشن رُخ رہا ہی کہ انسانی اخلاق سنوارے جائیں ہماری سیرت میں عقلی اور روحانی شرافت کے جوہر اُبھار دیئے جائیں۔ تاکہ وہ تعلقات اور مستحکم ہو جائیں جو عبد اور معبود کے درمیان قایم ہیں ٭

کسی سچے پیغمبر کے تبلیغی صحیفوں کو اُٹھا کر پڑھنا شروع کیجیے آپ کو ہر جگہ نظر آئیگا۔ کہ ان مقدس آسمانی کتابوں کے نقطہ نقطہ کا صرف یہی مقصد رہا ہی کہ اپنے زمانہ کے گمراہ انسانوں کو تمدنی اور اخلاقی معصیتوں کے جہنم سے نکالکر "ربانی اخلاق" کی جنت تک پہنچا دیا جائے ٭

رسول اسلام کی تعلیم کی عظمت

لیکن اس "رسول امی" کی تعلیمات کو جو عرب کی وادی غیر ذی زرع میں ماہ ربیع الاول کی سترہ کو رونق فزائے بزم ہستی ہوا تھا دوسری تمام گذشتہ

تعلیمات پر۔ اخلاقی معاشرتی۔ اور سیاسی ارشاد و ہدایت کے لحاظ سے فوقیت حاصل ہی۔

جناب سرور کائنات پر رسالت و نبوت ختم ہونیوالی تھی۔ اسلیئے ضروری بھی یہی تھا کہ ان کی تعلیم اتنی جامع اور مکمل ہو کہ پھر اسمیں مزید ترقی اور اضافہ کی گنجایش ہی نہ رہے۔

جناب ختمی مرتبتؐ کے تشریف لانے سے پہلے دُنیا میں انسان کو انسان بنانے کیلیئے جو کوششیں کی گئی تہیں وہ اپنے اپنے مقام پر سب گرانقدر اور قابل احترام تھیں۔ لیکن ایک دقیقہ رس نکتہ سنج محقق کیلیئے جسنے ان تمام تعلیمات کو ایک دوسرے کے مقابلہ میں رکھکر جانچا ہے۔ اسکا اعتراف کیئے بغیر چارہ نہیں کہ مکے کے اس "یتیم" نے جسے کبھی دُنیوی مکتب خانہ میں کتابوں کے ورق اُلٹنے کا موقع نہیں ملا ہمارے عقلی و عملی قویٰ کی اصلاح جس شاندار اور موثر طریقہ سے کی ہے۔ اس کی نظیر موجود نہیں۔

حقیقت یہ ہی کہ رسالت کے اس گوہر شاہوار کا وجود دُنیا کی رُوحانی زندگی کیلیئے اس ابر بہار کے چھینٹوں سے کم نہیں تھا۔ جو سوکھے پودوں میں

نئے سرے سے جان ڈالدی ۔

رسول اللہ صلعم کی مبعوث ہونیسے پیشتر دنیا کی عام حالت

زمانہ فترت میں ہر طرح کی گمراہیونکا سیلاب اچھی طرح پھیل چکا تھا۔ انسانی معاشرت نفس امارہ کے ہاتھوں پورے طور سے تباہ ہوچکی تھی۔ سرکش بندوں نے ان نازک تعلقات کو جو خالق اور مخلوق کے درمیان فطرت نے قایم کردیئے تھے۔ توڑ دینے میں کوئی کمی اُٹھا نہیں رکھی تھی۔ انسانی بغاوت و نافرمانی اس حد کو پہنچ چکی تھی کہ ایک معبود کے بجائے ہزاروں معبودان باطل کی پرستش کی گرم بازاری ہر طرف نظر آتی تھی۔ وحدہٗ لاشریک کا مقدس گھر پورا صنم خانہ بنا دیا گیا تھا۔

صاحب دول العرب نے اُس زمانہ کی تصویر نہایت حسن سے کھینچی ہے جسکا ملخص ترجمہ پیشکش ناظرین ہے۔

"امت عربیہ ان مختلف قبیلوں میں تقسیم تھی جنکے طبعی میلان ایک دوسرے سے جدا تھے۔ جو ہمہ تن نفسانی خواہشوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ انکا ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ سے لڑنا اسکے بہادروں کا خون

بہانا. اس کی عورتوں کا قید کرنا اسکے مال و متاع کا لوٹنا فخر سمجھتا تھا. اسکے اخلاقی دامن پر دنیوی لالچ کے بدنما داغ اچھی طرح موجود تھے. بری باتیں انکی نگاہوں میں حسین نظر آتی تھیں اُن کی خود پسندی اس حد تک تھی کہ وہ کسی رئیس کی اطاعت و فرمانبرداری کا حلقہ اپنے کانوں میں ڈالنا ذلت سمجھتے تھے ۔

جزیرہ عرب میں اسوقت کے جملہ مذاہب موجود تھے انکے باہمی اختلافات حد سے زیادہ بڑھے ہوئے تھے. ان کی جہالت کی نوبت یہ پہنچی تھی کہ وہ اپنے بت شیرینی کے بناتے. ان کی پرستش کرتے اور دن چڑھے جب اُنہیں بھوک معلوم ہوتی تو اُنہیں کھا لیتے تھے. ان کی کمزوری اخلاق کی یہ حالت تھی کہ وہ اپنی لڑکیوں کو بلا تکلف ہلاک کر دیتے تھے (تاکہ انہیں کسی کو اپنا داماد نہ بنانا پڑے) فحش و زناکاری کی یہ کثرت تھی کہ پاکبازی اور عفت انکے اخلاقی لغت میں کوئی معنی نہیں رکھتے تھے ۔

مختصر یہ کہ عرب کے ہر قبیلہ میں "نظام اجتماعی" کی بنیادیں گر چکی تھیں شرک پورے عروج پر تھا خود کعبہ میں تین سو ساٹھ بُت موجود تھے۔

جنکے سامنے عرب سر نیاز جھکاتے تھے ÷

عرب کی یہ حالت تھی اُنکے پڑوسی ایرانیوں اور رُومیوں کی حالت بھی اچھی نہ تھی۔ ان دونوں سلطنتوں میں بھی باہمی جنگ و جدل کا سلسلہ برابر قایم تھا مستبد حکومت کے جور و ستم سے دونوں ملکوں کے باشندے خنجر بہ گلو ہو رہے تھے ÷

عیش پرست فرمانرواؤں نے غریب رعایا پر بڑے بڑے ٹیکس لگا دیئے تھے جنکے بار سے انکی کمریں جھکی جا رہی تھیں ÷

استبدادی حکومت کے فطری نتایج اچھی طرح موجود تھے رعایا کے دلوں میں علو ہمت اور شجاعت کے شریفانہ جذبات کیلیئے کوئی گوشہ باقی نہ رہا تھا۔ خود سر فرمانرواؤں کی دست درازیوں نے انکے قلوب میں یہ بات راسخ کر دی تھی۔ کہ وہ صرف روساء اور امراء کی خواہشوں کا آلہ اور انکے عیش و آرام کا غریب حیوانوں کی طرح وسیلہ ہیں“ ÷

آفتاب رسالت کا عرب کے مطلع پر طلوع	دنیا کی عام اخلاقی فضا، ایسے اتنی تاریک ہو رہی تھی۔!

مایوس کن حالات میں ہدایت وارشاد کے "مہر نیمروز" کا عرب کے مطلع پر ظہور ہوتا ہو۔ اور وہ اپنی حکیمانہ تعلیمات کی شعاعیں چاروںطرف پھیلا دیتا ہے ؎

ظاہر ہے کہ کام آسان نہیں۔ قدم قدم پر دشواریوں اور مصیبتوں کے کانٹے بچھے ہوئے ہیں۔ مگر اسکے استقلال کی جبین پر خطروں کی ان گھاٹیوں سے جو سامنے موجود تھیں کوئی شکن نہیں پڑتی اور وہ مردانہ وار اس "ہفت خواں" کو طے کرتا چلا جا رہا ہی ؎

رسالتمآب کیلئے آزمائشی گھڑیاں

قریش نے آپکے استہزا میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ نہایت ہی تکلیف دہ حرکات کا ارتکاب کیا۔ جب رسول اور اُنکے اصحاب باہر نکلتے تھے تو یہ سرکش تالیاں پیٹتے تھے۔ سیٹیاں بجاتے تھے۔ کوٹھوں سے مٹی کے ٹوکرے پھینکتے تھے ؎

جب ان تمام درشتیوں سے تھک چکے تو اُنہوں نے آپکے مہربان چچا حضرت ابوطالبؑ سے خواہش کی کہ اپنے بھتیجہ کو ہمارے معبودوں کی توہین سے روکو۔ اگر اُنہیں دنیوی مال و متاع کی ضرورت ہو تو

ہم انکے کیلئے اسے فراہم کر دیں۔ اگر حسین عورتوں کی خواہش ہو تو اسکا انتظام کیا جائے۔ اگر سلطنت و حکومت چاہتے ہوں تو ہم اسکے تسلیم کرنے کیلئے موجود ہیں ÷

جب حضرت ابوطالبؑ نے مشرکین قریش کا یہ پیغام کہا۔ آپؐ نے نہایت بے پروائی سے جواب دیا کہ اگر سورج میرے دست یمین پر اور چاند دست یسار پر رکھ دیا جائے تو بھی واللہ میں ان ترغیبات کی وجہ سے اپنی یہ مساعی ترک نہیں کر سکتا۔ ایک سچے پیغمبر ہی کی زبان پر اس قسم کے اولوالعزمی اور بلند ہمتی کے فقرے جاری ہو سکتے تھے ÷

اسلامی تعلیم کی عملی خصوصیت

جناب محمدؐ جن کی دقیقہ رس نگاہوں سے انسانی نفسیات کا کوئی باریک سے باریک نکتہ مخفی نہیں تھا۔ اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کی تعلیمات کے مخاطب دنیا والے ہیں جنکی فطرت میں مختلف کمزوریوں کا گنجینہ ہیں وہ مذہب کے نام سے ایسے نظریات کا مجموعہ پیش نہیں کر سکتے تھے۔ جن کی کامیابی یہی ہو کہ وہ خیال و توہم کی الماریوں میں دبے پڑے رہیں اور کبھی کبھی اُن سے دماغی تفریح کا مصرف لے لیا جائے۔ وہ ایک ایسا عملی

مذہب پیش کرنا چاہتے تھے۔ جو ہماری فکر و عمل کو ربانی اصلاح سے متاثر کر سکے۔

وہ اپنی تعلیم و تربیت کا مخاطب و متعلق اُس چیز کو بنانا چاہتے تھے جس کی ترکیب روح و مادہ سے ہوئی ہے۔ وہ اسکے لیئے تیار نہ تھے کہ اپنی تعلیمات کا مخاطب انسان کے مادی جنبہ کو قطعاً نظر انداز کرتے ہوئے تنہا روح کو قرار دیں۔ یا روح سے قطع نظر کرتے ہوئے اپنی تعلیمات کا رُخ بالکل مادہ کیطرف موڑ دیں۔

ظاہر ہے کہ انسان نہ صرف روح کا نام ہے نہ محض مادہ کا بلکہ ان دونوں کے مجموعہ کا۔ اسلیئے وہی تعلیم انسانی اخلاق سنوار سکتی ہے اور تمدنی زندگی بنا سکتی ہے۔ جو اپنا مخاطب اس مجموعہ کو اس کی یہ مخصوص حیثیت ملحوظ رکھتے ہوئے قرار دے۔ وہ تعلیم جسنے اپنا موضوع تنہا روح کو قرار دے لیا۔ یا تنہا مادہ کو وہ نظری حیثیت سے گو کتنی ہی شاندار اور چمکیلی ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسان جیسے عملی مخلوق کی اصلاح اسکے بس میں نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کا مسلک اعتدال ہے۔ افراط و تفریط کیلیئے اسنے فضائل اخلاق کی فہرست میں کوئی جگہ نہیں رکھی ہے۔

اُسنے اپنا راستہ دونوں کے درمیان نکالا ہی۔

اسی حکیمانہ تعلیم کا سہارا لیکر آپنے عرب کی بگڑی ہوئی سوسائٹی میں وہ فضا پیدا کرنی چاہی جسمیں ہر فرد کیلئے یہ ممکن ہو کہ وہ اپنی عقلی اور عملی قوتوں کو اس کمال تک پہنچا سکے جس کی وہ صلاحیت رکھتا ہو۔

آپ اصلاح معاشرت و تمدن کے اس نکتہ سے بھی واقف تھے کہ صرف تیغ و تفنگ کی اعانت سے کسی قوم میں اس قسم کی فضا پیدا کرنا ممکن نہیں ہے۔

ہوسکتا ہی کہ ایک شورش پسند گمراہ سوسائٹی ہر وقت اپنے سر و پنہر تیز دھاروں کی خون آشام تلواریں بیرحمانہ طریقہ سے چمکتی ہوئی دیکھکر اپنے بہیمانہ جذبات اتنے دبالے کہ انکا اصلی رنگ کچھ عرصہ کے لیئے بدلا نظر آئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ تنہا سنگینوں اور برچھیوں کی یہ آفریدہ فضا اسوقت تک استقلال پذیر نہیں ہوسکتی جبتک کہ باطن کے اخلاقی چشموں میں روحانی تعلیم و تربیت کی گرمی اُبال نہ پیدا کرے یہی وجہ تھی کہ آپ جبتک مکہ میں رہے۔ انسانی قلوب میں روحانی چشموں کے اُن سوتوں کو جو کفر و ضلالت کے خس و خاشاک سے بند

پڑے ہوئے تھے صاف کرنیمیں مصروف رہی ٭

رسول کا تبلیغی انہماک

اس روحانی جد وجہد کے متعلق آپکو کتنا شغف تھا۔ اور اسکے لیئے آپنے کیا عنوانات اختیار کیئے اسکا اندازہ آپ کی کتاب زندگی کے اُن اوراق پر نظر ڈالنے سے ہوگا۔ جو اعلان رسالت کے بعد والے دس۱۰ سال سے تعلق رکھتے ہیں ٭

آپکا یہ عام طریقہ تھا کہ ہر سال حج کے موقعہ پر حاجیوں کے مقامات قیام منیٰ وغیرہ تشریف لیجاتے۔ عرب کے مشہور میلوں (عکاظ مجنہ ذی المجاز) میں پہنچتے ہر قبیلہ تک ایزدی پیغام پہنچاتے اور اپنی حمایت کی دعوت دیتے ٭

صفحات تاریخ میں آپکی اس آمد و رفت کے متعلق بہت سے قابل ذکر واقعات محفوظ ہیں اس جگہ صرف دو واقعونکا ذکر کرنا کافی ہے ٭

سیرت ہشامیہ میں ایک بزرگ سے یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ میں اپنے عنفوان شباب کے زمانہ میں اپنے باپ کے ساتھ منیٰ میں مقیم تھا۔ رسول اللہ صلعم قبائل عرب کی منزلوں میں تشریف لائے اور یہ فرماتے

کہ اے فلاں قبیلے والو! میں تمہاری طرف خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں وہ تمکو حکم دیتا ہے کہ اسکے بارگاہ میں سر عبادت خم کرو کسی دوسریکو اپنا معبود نہ بناؤ۔ یہ جو تمنے خدا کے بہت سے ہمسر قرار دے رکھے ہیں ان سے تعلق منقطع کرلو مجھپر ایمان لاؤ۔ میری تصدیق کرو۔ میری حمایت کرو تاکہ میں تمہیں ان چیزوں سے آگاہ کردوں جنکے لئے خدا نے مجھے مبعوث کیا ہے۔

آپکے عقب میں ایک مرد احول صاف رنگ گیسوؤں والا عدنی لباس پہنے ہوتا تھا جب رسول اللہ اپنی بات ختم کر لیتے تو وہ یہ کہتا کہ "اے ابن فلاں یہ شخص چاہتا ہے کہ تم لات وعزیٰ کو اپنی گردنوں سے دور کردو اور اس بدعت وضلال کو قبول کرلو جس کی طرف یہ تمہیں بلا رہا ہے۔ اس کی اطاعت نہ کرو اور اس کی باتیں ہرگز نہ سنو۔

راوی کہتا ہے میں نے اپنے باپ سے پوچھا یہ کون شخص ہے جو حضرت کی باتوں کو رد کرتا جارہا ہے۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ یہ حضرت کا چچا عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب ہے۔

اسی قسم کا دوسرا واقعہ سوق ذی المجاز کے متعلق ابی طارق سے

منقول ہے کہ آپ قبائل عرب کو مخاطب فرماکر یہ کہتے تھے۔ ایھا الناس لا الٰہ الا اللّٰہ کہو تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو پیچھے سے ایک گیسو والا شخص آپکو پتھر مارتا اور یہ کہتا ہوا آیا معشر الناس اس کی بات نہ سنو یہ کذاب ہے ٭

ابی طارق کہتے ہیں دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ پتھر مارنیوالا شخص ابولہب ہے جس کی کنیت عبدالعزیٰ ہو ٭

ان واقعات پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہی کہ آپکے دلمیں انسانی اصلاح کا جذبہ کس قوت کیساتھ موجود تھا جتنی ہی شدید رکاوٹیں سامنے آتی جاتی ہیں اُتنا ہی وہ اور شدت کیساتھ اُبھرتا جاتا تھا کیا اس "نبی امی" کی سیرت کی یہ وہ درخشاں خصوصیت نہیں ہے جو ہمیں اسکا یقین دلادے کہ وہ خدا کے سچے رسول تھے انہوں نے جو ہمیں تعلیم دی ہے اسی میں ہماری دنیوی فلاح و دینی نجات ہے، اسکے تبلائے ہوئے جادہ کو چھوڑکر دوسرے راستہ پر چلنا خطرناک ہے ٭

ہیں تو اسے دُنیا کی بدقسمتی کہونگا کہ اسلام اور اسکے واجب التعظیم بانی

کیخلاف مستشرقین یورپ کی ایک جماعت مختلف غلط فہمیاں پھیلانے
میں مشغول ہے وہ نہیں چاہتی کہ صفحۂ زمین پر اس دین فطرت کا نشان
باقی رہے۔ اسکا اوڑھنا بچھونا مخصوص نوعیت کی سیاست ہے، اور وہ
اپنی اس غیر روحانی بازی کے جیتنے کیلئے مجبور ہے کہ غلط
بیانیوں اور غلط ترجمانیوں کے مہرے کو آگے بڑھائے لیکن کیا یہ مقصد پورا
ہوگا؟ اسکا جواب خود باری عزوجل کلام مجید میں دے چکا ہے یریدون
ان یطفؤا نور اللہ واللہ متم نورہ الخ

عرصہ سے ارادہ تھا کہ ان الزامات کا جائزہ لیا جائے اسکے لئے
مختصر مگر مفید رسائل کی تحریر و اشاعت پیش نظر تھی۔ چنانچہ یہ رسالہ اس
سلسلہ کی پہلی کڑی ہے۔ اگر صحت نے اجازت دی تو انشاء اللہ تعالےٰ آئندہ
دوسرے اعتراضات والزامات کا تار و پود بھی بکھیرا جائیگا۔ اور مختصر
رسائل کے ذریعہ سے یہ ضروری تبلیغی فرض انجام دیا جائیگا۔
مدرسۃ الواعظین کی انجمن مؤید العلوم ایسے لٹریچر کی اشاعت کا زیادہ
حق رکھتی ہے۔ اسلئے میں اپنی اس قسم کی قلمی جدوجہد انجمن مؤید العلوم
کی نذر کرتا رہونگا۔

بالفعل اس الزام کی حقیقت ظاہر کرنا ہے کہ اسلام کی تعلیم کہانتک درندگی و خونخواری کا سامان ہے ؛

اسلام کی حرب پسندی کی آواز یورپ سے اُٹھی ہے اور اُس کی تقلید میں غیر مسلم ہندوستانیوں نے اس کو اور اونچا کر دیا ہے ہمیں آنیوالی سطروں میں یہی دیکھنا ہے کہ یہ آواز کہانتک سچی ہے ؛

اسلام اور امن

اُس سرزمین کے باشندے جس کی ذرہ ذرہ میں "حربیت" کی روح موجود ہے جس کی فضا مہیب جنگوں کے صاعقوں کی پرورش کیلئے خاص طور سے موزوں ہے نہایت معصومیت کیساتھ یہ کہدیا کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلام خونریزی کے بلند بانگ نقیب تھے ان کی تبلیغی زندگی کے ہر ورق پر انسانی خون کی گہری چھینٹیں نظر آتی ہیں انہوں نے اسلام تلواروں بر چھیوں کے سایہ میں پھیلایا ہے انکی کامیابیوں کے ہر افسانے سے لہو کی بو آتی ہے۔ انکی حیثیت محض ایک قتدار پسند انسان کی تھی چاردانگ عالم میں اپنی قہرمانی حکومت کا سکہ چلانا انکا اصلی مقصد تھا

وہ اپنی دنیوی سیادت و سروری کا ایوان اونچا کرنے اُٹھے تھے جسکا پشتہ انسانی سروں سے تیار ہوتا ہے جسمیں بنی آدم کا خون گارے کے بجائے کام آتا ہے یہی وجہ تھی کہ اُنھوں نے ہر طرف حرب و ضرب کے شعلے بلند کیئے اور بے دریغ طریقہ سے انسانی سر کاٹے ٭

مسٹر ایچ جی. ولز کی غلط رائے

اس دور کے مشہور انگلش ناول نگار و مورخ مسٹر ایچ. جی. ولز نے اپنی جسیم و ضخیم تاریخ (دوٹ لائن آف ہسٹری) میں جناب محمدؐ کی سیرت کے خط و خال دکھلاتے ہوئے یہ جملے تحریر فرماتے ہیں ہجرت کے آخری گیارہ سال کی زندگی میں مشکل سے کوئی ایسا واقعہ ملسکتا ہے جس سے یہ واضح ہوسکے کہ محمدؐ کی شخصیت ان لوگوں سے کوئی امتیازی حیثیت رکھتی تھی جنکا مقصد مختلف قوموں کو ایک دنیوی سلطنت کے جھنڈے کے نیچے جمع کر دینا ہوتا ہے۔ البتہ اتنا فرق ضرور نظر آتا ہے کہ اُنھوں نے اس مذہب کو جو انہیں کے اختراعات کا نتیجہ تھا۔ اپنی ان کوششوں کی بنیاد قرار دے لیا تھا (معاذ اللہ) آپ محض ایک سیاسی آدمی تھے آپکو ضرورت پر عہد شکنی میں کوئی

باک نہوتا تھا سنگدلی بھی آپ کافی برت لیتے تھے۔ اور اگر حالات دوسری صورت اختیار کرتے تو آپ مصالحت و مفاہمت کیلئے بھی تیار ملتے تھے۔ گویا آپ خاصے دینوی بادشاہ تھے آپکے مذاق جہانبانی میں روحانیت کو ذرا سا بھی دخل نہ تھا"۔

یورپ کے مخالف اسلام مورخ انہیں لفظوں میں اُس فردِ انسانی کی تصویر کھینچتے ہیں جسکے خمیر میں رحم و عطوفت عام انسانوں سے کہیں زیادہ تھی جسکا قلب تمام شریفانہ جذبات کا مسکن تھا جس کی رگوں میں انسانی ہمدردی کا خون پوری تیزی سے دوڑ رہا تھا۔ جو بیواؤں اور یتیموں کا دستگیر تھا جس کی مسکین نوازیوں کا جواب کسی قوم کی تاریخ میں نہیں ملتا جس کی آنکھیں پریشان حالوں کے اُداس چہرے کو دیکھکر اشکبار ہو جاتیں جو دشمنوں تک کی آہوں اور کراہوں کو سُنکر بےچین ہو جاتا اور رات بھر نہ سو سکتا جسکا مقصد حیات یہ تھا کہ اپنے ابنائے نوع میں روحانیت کی سوئی ہوئی قوتوں کو جگا دے ان میں حقیقی انسانیت کے عناصر اُبھار دے جس کی غایت آرزو یہ تھی کہ اس یزدانی نور کو جو اسکے دل و دماغ کو چمکا چکا تھا۔ اپنے بھائیوں تک پہنچا دے۔

ایسا شخص اور انسانوں کے خون کا پیاسا۔ قتل و خونریزی کا عاشق۔
بالکل غیر قابل قبول امر ہے۔ یورپین مورخین نے جناب محمدؐ بن عبداللہ
کی سیرت کے جو اتنے ڈراونے خط و خال کھینچے ہیں۔ اُنکا منشا تاریخی
تحقیق سے زیادہ اسلام کیخلاف پروپیگنڈا ہے۔ ورنہ جن لوگوں نے
بانیٔ اسلام کی سیرت کا مطالعہ کیا ہے اور اسلامی تعلیمات کی اصلی
روح سمجھنے کی کوشش کی ہے وہ اس کہنے پہ مجبور ہیں کہ عرب کا یہ
اُمی پیغمبر امن و آشتی کا فرشتہ تھا۔ جنگ سے اُسے فطرۃً کوئی
رغبت نہ تھی فتنہ و فساد کو وہ سوسائٹی کیلئے تباہ کن چیزیں سمجھتا تھا
لیکن پھر اس کی تبلیغی جد و جہد کی بعض منزلوں میں تلوار کیوں چمکتی
نظر آتی ہے مسلمانوں کی سنانوں اور برچھیوں کی نوکیں دشمنوں کے
کلیجوں اور دلوں میں کیوں پیوست ملتی ہیں؟

میں عرض کرونگا کہ ان آویزشوں کی تمامتر ذمہ داری خود
مشرکین قریش پر عائد ہوتی ہے۔ جناب محمدؐ کی روش شروع سے آخر
تک مدافعانہ رہی ہے۔ جب تک آپ مکہ میں رہے
کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ آپ تمام سختیوں اور تکلیفوں کو جھیلتے اور برداشت

کرتے رہے۔ البتہ جب آپ مدینہ ہجرت کرکے تشریف لیگئے ہیں اور کفار قریش کی سابقہ سخت گیریونکے اثرات وہاں بھی ظہور پذیر ہونے کی دہمکیاں دینے لگے تو مجبوراً آپکو تبلیغی کوششونکا محور بظاہر بدل دینا پڑا ہے۔ اور بادل ناخواستہ مدافعت کی تلوار ہاتھ میں لینا پڑی ہے۔ لیکن اس عالم میں بھی جبکہ آپکا تبلیغی مشن خون کی چادروں میں مخفی ہو رہا تھا۔ تزکیۂ اخلاق کا رشتہ جو انسانی معاشرت کے اصلاح کی جان ہے آپکے دست مبارک سے نہیں چھوٹا ہے۔ اگر مفسدہ پردازان عرب کی کافرانہ دراندازیوں نے آپکے لیئے ربانی پیغام کا دنیا تک پہنچا دینا دشوار نہ بنا دیا ہوتا تو آپکو یہ روش نہ اختیار کرنا پڑتی ⁂

ایک مصلح کی حیثیت بعینہٖ ایک تجربہ کار سرجن کی ہوتی ہے وہ جب دیکھتا ہے کہ بدقسمتی سے کسی انسانی عضو میں زہر پیدا ہو گیا ہے اور اس سے زندگی خطرہ میں ہے تو اُسکا فرض ہو جاتا ہے کہ بلا پس و پیش کیے اسے قطع کر دے "آخر الدواء الکئی" اس کی یہ چیر پھاڑ گو بظاہر سنگدلی کا نتیجہ معلوم ہو۔ لیکن موقع کے لحاظ سے اس فعل کے حکیمانہ ہونے میں کیونکر کلام کیا جا سکتا ہے۔ بعینہٖ انہیں حالات کے ماتحت آپ کو

جہاد کے میدان میں اُترنا پڑا ہے۔ آپکا مقصد صرف یہ تھا کہ شریر افراد کی
شیطانی فتنہ پردازیوں کو مزید وسعت حاصل کرنے سے روک دیا جائے۔
اُن کی خباثتوں کے زہر کو انسانی سوسائٹی کے دوسرے اعضا میں نہ
پھیلنے دیا جائے۔ خالق جلیل کے اخلاقی فرامین سے روگردانیوں اور سرکشیوں
کی اسکیمیں سرسبز نہونے دی جائیں۔ فرعونیت اور طاغوتیت کے
ٹھوروں کا سر کچل دیا جائے ✤

یاد رکھو اسلامی تعلیمات کی خصوصیت اعتدال ہی۔ فطرت کی صحیح نبض
شناسی کے بعد اخلاقی و معاشرتی بیماریوں کی اصلاح کیلئے اسلامی
قوانین و ضوابط کا نسخہ تجویز کیا گیا ہے اسکے کسی حکم میں عملی پہلو نظر انداز
نہیں کیئے گئے ہیں پیغمبر اسلام کے جہاد اسی قانون کے مطابق ہیں ✤

جہاد کا اخلاقی جواز

میں جانتا ہوں کہ اسوقت دُنیا میں ایسے
افراد موجود ہیں جو انسانی قتل کو کسی حالت میں
جائز نہیں سمجھتے۔ لفظوں کے توسط سے خونی عقوبتوں کی ایسی ہیبتناک تصویریں
کھینچتے ہیں کہ قلوب تھرا جائیں۔ دار و رسن کی سزاؤں کے افسانے ان
موثر عبارتوں میں دُنیا کو سناتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ اس کی نگاہوں میں

اپنی بے رحمی اور سنگدلی کے کارنامے پھر جائیں۔ اور اُس کی انسانیت کی جبین پر خجلت کا پسینہ آجائے۔ لیکن واقعہ یہ ہے ع حفظت شیئاً وغابت عنک اشیاءٗ۔ مسئلہ کی کچھ کڑیاں لیلی گئیں اور بہت سی دوسری اہم کڑیاں نظرانداز کردی گئیں ٭

یہ فلسفہ طرازیاں خیالی نفاستوں کی امانت دار ہی لیکن سوال یہ ہے کہ اُس مخلوق ارضی کے عملی پروگرام میں جسکے "افساد فی الارض وسفکہ دما" کا افسانہ آغاز آفرینش میں فرشتوں کی زبانیں ازید قہار کو سنا چکی ہیں ان اخلاقی خوش عیشیوں کو کوئی جگہ دی بھی جاسکتی ہے۔ اس دورِ جدید میں یورپ کے بعض علمی حلقوں سے یہ آواز اُٹھی ہے اور اسکے اثبات میں بڑے بڑے نظر فریب دلائل سے کام لیا گیا ہے۔ لیکن خود عمل کیحالت کیا ہے۔ اسی خطہ میں دنیا کے تمام حصوں سے زیادہ انسانی خون بہانے کی سازشوں کے کالبد تیار رہوتے ہیں اور انسانی جانوں پر ڈاکہ ڈالنے والی گیسیں اور مشینیں بنائی جاتی ہیں ٭

یوں تو یورپ کے کچھ حلقے جنگ کے ناممکن بنانیکی خیالی تجویزوں کے فردوس میں محو گلگشت نظر آتے ہیں۔ اور کبھی کبھی "تحریم جنگ" کے

معاہدے بھی انکی تسلی کیلئے مکمل ہو جاتے ہیں۔ اور دنیا کے کانوں تک یہ آواز نہایت اہتمام سے پہنچا دیجاتی ہے کہ آدم وحوا کی اولاد فرشتہ بن گئی۔ لیکن کیا فی الحقیقت اس تمام کارروائی میں کوئی صداقت بھی ہوتی ہے؟ ایکطرف زبانیں امن وصلح کے گیت گانے میں مشغول ہوتی ہیں۔ دوسری طرف ہاتھ طبل جنگ پر چوب لگانے میں کیونکر ممکن تھا فطرت انسانیہ کا نباض ماہر اپنے اصلاحی مساعی کے پروگرام میں ایسے غیر فطری قانون کو جگہ دے۔ اسی لیئے اسلام قتل کو ہر صورت میں ناجائز نہیں قرار دیتا۔ اسکے نزدیک ایسی بہت سی صورتیں ہیں جنمیں شریعت ترا انسانی اغراض کیلئے قتل کا فتوےٰ دینا ناگزیر ہے۔ ایسے حالات پیش آسکتے ہیں جنمیں ایک قوم دوسری قوم کے خلاف اجتماعی حیثیت سے تلوار بے نیام کرنیکا حق رکھ سکے۔

اسلام ان لوگوں کے خیالات کی حمایت کیونکر کرسکتا ہے جو کسی حالت میں انفرادی یا اجتماعی قتل کو جائز نہیں سمجھتے۔ اس کی تعلیم صرف زبان کی چاشنی کے لیئے نہیں ہے۔ وہ عمل کے حدود میں آنے کیلئے پیش کی گئی ہے۔ اگر اس معصومانہ قانون کو تمام قومیں اپنا معمول قرار دے

لیں تو پھر نہ معلوم دنیا کو کتنے عظیم فتنوں اور مفسدوں سے سامنا کرنا پڑیگا نیک اور صلح جو افراد کے لیئے دنیا تنگ ہو جائیگی. فتنہ پسند اور شریر طبقہ کی بے عنوانیوں کی روک کیلیئے کوئی چیز ہمارے قبضہ میں نہ رہے گی ۔ وہ جسکا خون چاہیں گے بہا دینگے. ان سے کوئی باز پرس نہیں کی جاسکے گی! انفرادی اور قومی دولت کے ڈاکوؤں اور لٹیروں کی دست درازیوں کا سلسلہ کہیں ختم نہو گا. ان تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے وہی قانون حکیمانہ ہوسکتا ہے. جو مختلف صورتوں کیلیئے نہ صرف انفرادی قتل کی بلکہ جنگ کی اجازت اس نوعیت کی دے کہ وہ سفاکی کی حد میں بھی داخل نہو اور پھر اس خطرہ کی بھی روک تھام رہے اسلام نے اسی لیئے اخلاقی اصلاح پر حقیقی توجہ صرف کرتے ہوئے جنگ کی ضمنی اہمیت تسلیم کی ہے. تاکہ واقعی امن کا جو اصلی سرچشمہ ہے یعنی تزکیۂ اخلاق وہ بھی کھلا رہے. اور غیر قابل اصلاح فتنہ جو افراد کے سروں پر تہدید کی تلوار بھی چمکتی رہے.

اسلام درحقیقت جنگ یا قتل کا طرفدار نہیں ہے اسکا اصلی مشن یہ ہے کہ کہ وہ دنیا کو ایسی تربیت دے جس سے فتنہ و فساد قتل و غارت کے

جرائم کے انسداد کی صورت خود نکل آئے اسنے قتل وخونریزی کو مختلف عنوانوں سے مذموم بتلا کر یہ واضح کر دیا ہی کہ اسکا اصل مقصد تیغ وتفنگ نہیں ہی وہ اسی جادہ پر چلنا چاہتا ہی جو حقیقی امن تک پہنچا مگر دشواری یہ ہے کہ بسا اوقات اس امن کا حاصل کرنا خود جنگ پر موقوف ہوتا ہی اسلیئے وہ مذہب جو انسانوں کے لیئے ہے فرشتوں کے لیئے نہیں وہ مجبور ہی کہ اس حربہ کو ہاتھ میں رکھے۔ البتہ اسکا استعمال نہایت احتیاط کیساتھ اور سخت ضرورت کے موقعہ پر کیا جائے یہی وجہ سے اسلامی جہادوں میں یہ احتیاط کبھی بھی نظر انداز نہیں کی گئی ہے ؛

اسلامی جہادوں کی دفاعی حیثیت کفارۃ قریش کی اقدامی کارروائیاں

رحمۃ للعالمین کو جتنی لڑائیوں میں حصہ لینا پڑا ہی وہ مجبوریوں کے ماتحت جب آپ تلوار کھینچنے کیلیئے مجبور کر دیئے گئے۔ اور کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا تو آپنے جنگ کے حربے سنبھالے آپنے اسطرف تبلیغ کا علم بلند کیا اور اُسطرف کفار قریش نے ایذا رسانی کا سلسلہ شروع کر دیا

مسلمانوں پر خدا کی زمین تنگ کردی تھی۔ اُنہیں وہ وہ مصیبتیں پہنچائی
ہیں جنہیں لکھتے ہوئے قلم کا جگر شق ہوتا ہے معبود برحق کے کسی پرستار کو
دہکتے ہوئے انگاروں پر چت لٹا دیا جاتا اور ایک قسی القلب اُسکے
سینہ پر پاؤں رکھے رہتا کہ وہ کروٹ نہ بدل سکے۔ یہانتک کہ انگارے
ٹھنڈے ہو جاتے۔ کسی خدا کے بندے کو جلتی بالو پر لٹا دیا جاتا اور پتھر
کی چٹان سینہ پر رکھ دیجاتی کہ جنبش نہ کر سکے +

کبھی کبھی رسولؐ کی بیعت کرنیوالوں کی گردنوں میں رسّی باندھکر لڑکوں
کو پکڑا دی جاتی وہ مکہ کی پہاڑیوں پر ان غریبوں کو جانوروں کی طرح
گھسیٹتے پھرتے۔ یہ اُن کی حالت کیجاتی۔ جو انکے دست نگر اور غلام تھے
عزیزوں اور قرابت داروں کے ساتھ بھی مشق ستم کا یہی عنوان رہتا۔ انہیں
چٹائیوں میں لپیٹ کر ناک میں دھواں دیتے۔ رسیوں میں باندھکر ڈال
دیتے۔ عورتیں تک اُنکے مظالم سے محفوظ نہ تھیں۔ لیکن جب ان سختیوں
سے کام نہ نکلا اور رسول اور انکے اصحاب کے صبر میں کوئی کمی نہ ہوئی۔
تو ان سنگدلوں نے اپنے جور و ستم کا رُخ دوسری موڑ دیا اور آپس کے
ایک معاہدہ کے ذریعہ سے نہ صرف مسلمانوں بلکہ بنی ہاشم کا مکمل مقاطعہ

کر دیا۔ اس نامسعود معاہدہ کی دفعات ابن ہشام وغیرہ نے حسب ذیل لکھی ہیں:۔

(۱) نہ کوئی اُن کی عورتوں سے نکاح کریگا۔ اور نہ وہ اُن کی عورتوں سے شادی کر سکینگے:۔

(۲) نہ اُنکے ہاتھ کوئی چیز بیچی جائے گی اور نہ اُنسے کوئی چیز خریدی جائے گی:۔

روضۃ الاحباب میں اس معاہدہ کا آخری جزیہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ عہدنامہ اپنے تمام شرائط کے ساتھ اسوقت تک قایم رہیگا۔ جبتک بنی ہاشم محمدؐ کو قتل کردیئے جانے کی غرض سے قوم کے حوالے نہ کردیں۔ اس سوشیل بائیکاٹ نے آپکو اور آپکے اصحاب کو جن تکلیفوں میں مبتلا کردیا وہ کچھ کم دل ہلا دینے والی نہیں ہیں مجبوراً ان تمام حضرات کو خاندان بنی ہاشم کے موروثی درہ شعب ابی طالب میں پناہ گزیں ہونا پڑا۔ بنو ہاشم میں سے صرف ابولہب قریش کے ساتھ رہ گیا۔ کامل تین برس تک آپکو یہ قید تنہائی جھیلنی پڑی۔ کھانا۔ پینا قریب قریب بند خرید و فروخت موقوف۔ درہ سے قدم باہر نکالنا دشوار:۔

علامہ ابوجعفر اسکافی استاد شارح نہج البلاغہ لکھتے ہیں:۔

"تلاش آذوقہ کیخدمت ان ایام میں خاصکر جناب امیرؑ کے سپرد تھی آپ علی الصباح نکلکر حوالی مکہ کی آبادیوں میں دور دور تک چلے جاتے تھے۔ اور وہاں سے جو گیہوں اور کھجوریں میسر آتیں انہیں اپنی پشت پر رکھکر لاتے تھے۔ کبھی یہ چیزیں ملتیں کبھی نہ ملتیں۔ کیونکہ مشرکین مکہ بیرونی آبادیوں میں جاکر منع کراتے تھے۔ اسلئے اکثر ان قید کی مصیبت جھیلنے والونکو فاقے کرنا پڑتے۔ اس روز روز کی بھوک کی تکلیفوں سے ان غریبوں کی جانیں ہونٹوں تک آپہنچی تھیں"۔

تین برس کے بعد جاکر یہ معاہدہ کہیں چاک ہوا ہے اور اس قید تنہائی سے ان گرفتاران مصیبت کو نجات ملی ہی یہ حالت اسوقت تھی جب حضرت ابوطالب محمدؐ کے مہربان چچا زندہ تھے۔ لیکن آپکے انتقال کے بعد اور تغیرات رونما ہوئے۔ مدینہ کی زمین اسلام کو پناہ دینے کے لیئے تیار ہوگئی۔ وہاں کے بہت سے باشندوں نے خدائے احد کی عبودیت کا حلقہ کانوں میں پہن لیا۔ اسطرح عرب میں اسلام کو جڑیں پکڑتے دیکھکر کفار قریش کے جذبات عناد میں اور ترقی ہوئی

دارالندوہ میں اُنہوں نے ایک بزم مشاورت منعقد کی جسمیں ہر قبیلے کے
سردار شریک ہوئے اور بہت سے مشورونکے بعد بالآخر یہ رائے طے پائی
کہ ہر قبیلے سے ایک شخص منتخب ہو اور مشترکہ طریقہ سے رسول کو قتل کر دیا
جائے۔ اس صورت میں اُنکا خون تمام قبائل میں تقسیم ہوجائیگا۔ اور
بنی ہاشم ان تمام قبائل سے مقابلہ نہ کرسکیں گے حالات کے اتنے
غیر موافق ہوجانے پر آپ نے ہجرت فرمائی۔ اور شب کے پردے میں
اسد کردگار۔ اسلام کے پرجگر مشہور سیاف اپنے قوت بازو۔ علیؑ
ابن ابیطالبؑ کو خون کے پیاسے نیزوں اور تلوارونکے درمیان
میں بستر پر سُلا کر مدینہ تشریف لیگئے۔ اس نئے مقام پر پہنچکر آپ
تبلیغی فرائض ایک سال تک انجام دیتے رہے۔ مکہ کے رہنے والے
شام کو برابر تجارت کیغرض سے آتے جاتے تھے۔ انکے راستے سے
مدینہ کچھ دور نہ تھا۔ اب ایں انہیں قافلوں سے مسلمانوں کی آویزش
شروع ہوئی اس مقام پر قابل غور یہ امر ہے کہ ان حملونکا آغاز
کس طرف سے ہوا۔

ہمارے بہت سے مورخین نے یہ دیکھتے ہوئے کہ اہالی مکہ مسلمانوں

کے ساتھ کافی زیادتیاں کر چکے تھے۔ اُنہیں ہر طرح تکلیفیں پہنچا چکے تھے۔ مکہ کا کوئی کافر ایسا نہیں تھا کہ مسلمانوں کا اس سے بدلہ لینا بیجا سمجھا جاتا۔ اُن جزئیات احوال کی تفصیل ضروری نہیں سمجھی جن سے اصل حقیقت کا انکشاف ہوتا۔ اُنہوں نے مغازی کی داستان بلند آہنگی سے ان غیر محتاط لفظوں میں بیان کی جن سے یہ سمجھا گیا کہ مسلمانوں نے پیش قدمی کی۔

فی الحقیقت کفار مکہ کی پچھلی زیادتیاں دیکھتے ہوئے جن کی آخری تان اس امر پر ٹوٹی تھی کہ مسلمانوں کو اپنا عزیز وطن مکہ نہایت بی بسی کے عالم میں چھوڑ دینا پڑا۔ کوئی فہمیدہ شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ مسلمانوں کا دشمنوں سے تعرض کرنا گو ابتداءً ہی سہی انسانیت کے خلاف تھا۔ کفار مکہ کی طرف سے اقدام ہو چکا تھا۔ مسلمانوں کے یہ حملے صرف جوابی حیثیت رکھتے تھے۔ مسلمانوں سے مکہ چھوٹا تھا جس کی آب و ہوا مدینہ سے انکے لیئے کہیں اچھی تھی۔ انکا بہت سا مال و اسباب کفار مکہ نے ضبط کر لیا تھا۔ مدینہ پہنچنے پر جبتک کہ انکے پاس سرمایہ رہا کسی نہ کسی طرح بسر ہوتی رہی۔ انصار نے بہت کچھ ان کی برادرانہ

دستگیری کی لیکن تابہ کے فاقہ کشی کی نوبت پہنچنا لازمی تھی۔ کفار مکہ
ان تمام تکلیفوں کے ذمہ دار تھے مسلمانوں کو پورا حق تھا کہ وہ اُنہیں
جان و ایمان کے دشمنوں سے کسی نہ کسی طرح سرمایہ حاصل کرکے
اپنے نفوس کو ہلاکت سے بچائیں ایسی صورت میں اگر ان حملوں کا
آغاز بھی مسلمانوں کی طرف سے ہوا تو کوئی قابل اعتراض بات نہیں
ان آویزشوں میں مسلمانوں کی تلواروں سے جو خون کے قطرے بہے
اُن سے یورپ کے تاریخی مصوروں کو اسلام کے جور و ستم کی خیالی
تصویروں میں رنگ بھرنے کا حق نہیں پہنچتا لیکن میں گذارش کرونگا
کہ اس مقام پر تاریخی سوجھ بوجھ کا فتویٰ اور کچھ ہے اگر ان تمام حالات
پر جو ہمارے سامنے ہیں عمیق نظر ڈالی جائے تو یہ راز آشکارا ہو جائیگا
کہ ان حملوں کی ابتدا بھی مسلمانوں کی طرف سے نہیں ہوئی ⁂

کفار مکہ کی عداوت اور عناد کا پارہ کسی اعتدالی حد پر رُک نہیں رہا تھا
اُن کی دراندازیوں کی اسکیمیں مدینہ تک پھیل رہی تھیں اُن کی کوششیں
تھیں کہ مدینہ کو پیغمبر اور اُنکے پیرووں کے لیئے کانٹوں کا بستر بنا دیا
جائے انکے چاروں طرف فتنہ و فساد کے انگارے دہکا دیئے

جائیں۔ اگرچہ کتب تاریخ میں اس قسم کی جزئیات کی تفصیل نہیں ملتی لیکن تاہم ایسے بہت سے اشارے ملتے ہیں. جنسے اس رائے کی تصدیق ہوتی ہے۔

صحیح نسائی میں مرقوم ہو کان رسول اللہ صلعم اول ما قدم المدینۃ یسہر من اللیلِ جنابؐ کی مرتبتؐ جب مدینہ میں تشریف لائے تو راتیں جاگ کر کاٹتے تھے۔

صحیح بخاری باب الجہاد میں ہو کہ انہیں ایام میں آپ نے ایکبار صحابہ سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ آج کی رات کوئی اچھا آدمی پہرہ دیتا چنانچہ ایک صحابی نے مسلح ہوکر یہ خدمت رات بھر انجام دی۔

(۲) حاکم مستدرک میں ان ایام کے پُرآشوب ہونیکی تصویر ان لفظوں میں کھینچتے ہیں۔

"رسول مقبول اور صحابہ کرام جب مدینہ میں آئے اور انصار نے انکو پناہ دی تو تمام عرب یکدل ویکجان ہوکر انپر جنگ کے تیر برسانے کے لیے آمادہ ہوگئے صحابہ صبح سے شام تک مسلح رہتے اور اسی حالت میں سوتے۔

ان حالات کی موجودگی میں رسالتمآب کو یہ قوی خدشہ ہونا چاہیئے تھا۔ کہ مدینہ پر کہیں قریش حملہ نہ کردیں۔ یا نواحی مدینہ کے قبائل میں سازشوں کا ذخیرہ نہ پہنچادیں اسلیئے کیا رسول کا امن و آشتی کے نقیب ہونیکے کی حیثیت سے یہ فرض تھا کہ فتنہ و فساد کی چنگاریونکو حتی المقدور ان قبائل تک نہ پہنچنے دیں۔ اسکے علاوہ حفاظت خود اختیاری کے فطری حق کا تقاضا تھا۔ کہ مدینہ کی ارد گرد کی زمینیں قریشی شرارتوں کی تخم ریزی کیلیئے غیر موزوں بنادی جائیں۔ قریش کے ہر حرکت و انتقال پر نظر رکھی جائے۔

جنگ بدر کے پہلے جتنی مہموں پر آپ تشریف لیگئے ہیں یا اصحاب کو بھیجا ہے انکا مقصد تمامتر یا تو معاہدے منعقد کرنا تھا یا مشرکین قریش کے حالات کا تفحص کرنا۔ عام مورخوں نے انہیں مہمونکو غزوات و سرایا سے تعبیر کیا ہے۔

مہم ودان۔ مہم بواط۔ مہم ذوالعشیرہ میں آپ بنفس نفیس تشریف لیگئے اور معاہدۂ مودت منعقد کرنیمیں کامیاب ہوئے ہیں۔

ابن ہشام نے اس معاہدہ کی دفعات حسب ذیل لکھی ہیں۔

(۱) معاہد قبائل ایک ہی قوم سمجھے جائینگے ٭

(۲) بنی عوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک قوم شمار کیے جائینگے۔

(۳) جو لوگ معاہد قوموں کے ساتھ جنگ کرینگے۔ مسلمان معاہدہ والوں کی نصرت کرینگے ٭

(۴) مسلمانوں کے تعلقات معاہد قوموں کے ساتھ خیر خواہی، خیر اندیشی اور فائدہ رسانی کے ہونگے ٭

(۵) یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایام جنگ میں مصارف جنگ دینگے۔

(۶) یہودیوں کے حقوق جانب دارانہ قوموں کے حقوق کے برابر سمجھے جائینگے ٭

(۷) کوئی شخص اپنی معاہد قوم کے ساتھ مخالفانہ کارروائی نہیں کریگا۔

(۸) مظلوم کی ہمیشہ مدد کیجائیگی ٭

(۹) مدینہ کے اندر کشت و خون کرنا اس معاہدہ کی رو سے سب لوگوں پر حرام ہوگا ٭

(۱۰) ہمسایہ قومیں بھی معاہد قوموں کی مانند سمجھی جائینگی تاوقتیکہ وہ ضرر رساں اور گنہگار نہ ثابت ہوں ٭

(۱۱) معاہدہ میں داخل ہونیوالی قوموں کے اندر اگر کوئی ایسی بات یا جھگڑا پیدا ہو جائے جسمیں آئیندہ فساد کا خوف ہو تو اُسکا فیصلہ خدائے بزرگ و برتر اور اُسکے رسول کے متعلق کیا جائیگا ؎

مدینہ کے اردگرد کے تمام قبائل سے انہیں شرائط پر رسول معاہدہ آشتی قایم کر رہے تھے ؎

اس معاہدہ کی دفعات پر نظر غائر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ کا مقصد مدینہ اور اسکے نواح میں امن قایم رکھنا تھا۔ آپ کفار قریش کی فتنہ پردازی کی اسکیموں کو بارور نہیں ہونے دینا چاہتے تھے ؎

عبداللہ بن ابی سلول کفار قریش کا آلہ کار

ابن ابی سلول مدینہ کا ایک باثر شخص تھا رسول کی تشریف آوری سے اُسکے اقتدار کو صدمہ پہنچا تھا۔ ان معاہدوں کے بعد مصلحتاً وہ اسلام کا ہواخواہ بنگیا۔ لیکن در پردہ مخالفت کرتا رہا قریش اسکی منافقانہ روش سے باخبر تھے۔ اسلئے اُس کو حسب ذیل خط لکھا ؎

تم لوگوں نے ہمارے آدمی کو اپنے یہاں پناہ دی ہے اب تم یا تو ہماری طرف سے اس سے جنگ کرو یا اپنے شہر سے باہر نکالدو۔ ورنہ قسم ہے لات وعزیٰ کی ہم مدینہ پر حملہ کر دینگے۔ تمہارے جوانوں کو قتل کر دینگے۔ تمہاری عورتوں کو اپنے قبضہ میں لائیں گے ۔

(سنن ابوداؤد)

اتنی شہ اسکے لیے کافی تھی وہ ایک عام فتنہ برپا کرنے کیلئے تیار ہو گیا لیکن رسولؐ کے اعلیٰ اخلاق نے اس کی شرارت کے حوصلے پست کر دیئے۔ کفار قریش کا جب یہ حربہ پورے طور سے کارگر نہوا تو انہوں نے مدینہ کے یہودیوں میں سازشوں کے افسوں پھونکنا شروع کر دیئے۔ اس تدبیر میں انہیں خاطر خواہ کامیابی ہوئی اس کامیابی کی مسرت نے ان سے ضبط کی قوتیں چھین لیں اور انہوں نے اپنے بھائی بند مہاجروں کو کہلا بھیجا۔ کہ تم انصار کی طاقت پر مغرور نہونا اور یہ نہ سمجھنا کہ تم مکہ سے جان بچا کر صاف نکل آئے ہم مدینہ میں آکر تمہارا نام و نشان مٹا ڈالیں گے۔ اس پیام انتقام سے مسلمانوں میں لازمی طور سے اضطراب پیدا ہو جانا چاہیئے تھا

اور تدبر کا یقینی مقتضا تہا کہ وہ اپنی حفاظت کیلئے پورے طور سے مستعد ہوجاتے۔ کفار قریش کی یہ دہمکیاں زبانی نہ تہیں اُنہوں نے اپنے ارادہ کو عملی لباس پہنانا شروع کر دیا تہا۔ ان قبائل کو جو رسول اللہ سے معاہدہ کر چکے تھے مختلف طریقوں سے پریشان کرنے کے لئے سلسلوں کی ابتدا کر دی تھی۔

جنگ بدر اور اُسکا منشأ

ایسی حالت میں رسول اللہ تک مشرکین قریش کی آمد کی خبر پہنچنا تو بھی کے سب کانوں سے سُنے جانیکے قابل نہ تھی۔ اس صورت میں کسیطرح ممنا نہ تہا کہ توحید کے علمبردار مدینہ میں چھپے بیٹھے رہیں۔ آپکو یہ خیال ہونا چاہیئے تہا۔ کہ جن لوگوں نے مسلمانوںکو پناہ دی ہے اس سے کہیں انہیں بے دلی نہ پیدا ہو۔ حکیمانہ سیاست کا اسوقت یہی فتویٰ ہوسکتا تھا۔ کہ آگے بڑہکر مسلمان قریش کو روکیں جو ہونا ہے وہیں ہوجائے۔ مدینہ کے تمام باشندوں پر بلا کا نزول کیوں ہو۔ یہ سچ ہے کہ بعض اخبار و روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسموقع پر رسول اللہ کا مدینہ سے باہر نکلنا قافلۂ قریش کی لوٹ مار کیلئے تہا۔ لیکن یہ روایات

قابل اعتماد نہیں ہیں۔ ہمارے پاس جنگ بدر کے متعلق جناب امیر کی حسب ذیل شہادت موجود ہے +

حضرت علی ابن ابیطالب سے منقول ہے کہ جب ہمیں خبر ملی کہ مشرکین ہماری طرف آرہے ہیں تو رسالتماب بدر کی طرف جو ایک کنوئیں کا نام ہے۔ روانہ ہوئے اور ہم وہاں مشرکین سے پہلے پہنچ گئے۔ یہ روایت واضح طور سے بتلاتی ہے کہ اس مہم کی غایت کسی قافلہ کی لوٹ مار نہ تھی۔ بلکہ حفظ ما تقدم کا خیال غالب تھا جن لوگوں نے قافلہ کی لوٹ مار اسکا مقصد قرار دے لیا ہے۔ وہ رسول اللہ کا حقیقی منشاء سمجھنے سے قاصر رہے۔ اُنھوں نے قیاس کو دخل دیکر واقعہ کی حقیقت مسخ کر دی اور غیر محتاط مورخین نے انکے قیاس کو واقعہ کا جزو بنادیا اگرچہ یہ بھی ایک حقیقت ہے، کہ وہ قریشی قافلہ جس کی لوٹ مار جنگ بدر کا سبب بیان کیجاتی ہے اسکا بھی یہی منشا تھا کہ مسلمانوں کے استیصال کا سامان فراہم کیا جائے +

ابوسفیان اس قافلہ کا رئیس تھا۔ اور اس کی ترتیب میں اتنا اہتمام کیا گیا تھا کہ مکہ میں کسی مرد قریشی یا زن قرشیہ کے پاس ایک حبہ بھی

ایسا نہیں بچا تھا جو اسنے ساتھ نہ کر دیا ہو۔ اسقدر اہتمام سے کارروان کی روانگی اسی لیئے تھی کہ مصارف جنگ کا بندوبست کر لیا جائے تاکہ پورے ساز و سامان سے مسلمانوں پر حملہ کیا جاسکے۔ ایسی حالتمیں مسلمانوں کا بالفرض اس قافلہ کے تباہ کرنے کے لیئے نکلنا بھی کیونکر قابل اعتراض ہو سکتا ہے *

جہاد کے متعلق قرآنی حکم

مسئلہ جہاد کے متعلق جو قرآنی آیتیں وقتاً فوقتاً نازل ہوئی ہیں۔ وہ بھی یہی تبلاتی ہیں کہ اسلامی جہاد کی حیثیت صرف دفاعی تھی۔ تفسیر ابن جریر طبری میں سب سے پہلی آیت جہاد کے متعلق یہ تبلائی گئی ہے۔ قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم خداہ کی راہ میں ان لوگوں سے تم بھی لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔ دوسری آیت یہ ہے۔ فان قاتلوکم فاقتلوھم اگر وہ تم سے مقابلہ کریں تو انہیں تم قتل کرو۔ اسی نوعیت کی اور آیتیں بھی ہیں۔ ان سب سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو جنگ کی اجازت نہایت مجبوری کے عالم میں دی گئی ہے۔ جب کوئی اور صورت باقی نہیں رہی تو انہیں حکم دیا گیا

کہ اب وہ بھی تلوار بے نیام کریں۔ کفار قریش کی خون آشامانہ فتنہ
پردازیوں کا جواب تیغوں اور نیزوں کی نوکوں سے دیں۔ الحدید
یفلح بالحدید کا حکیمانہ قول نظر انداز کیے جانے کے قابل نہیں ہے
جو مذہب کہ خودکشی کو بہت بڑا جرم قرار دیتا ہو۔ اور عزیز نفوس
خواہ مخواہ دشمنوں کی تلواروں کی بھینٹ چڑھانیکا حامی نہ ہو۔ وہ
اس مقام پر یہی روش اختیار کر سکتا تھا۔

شاید کہا جائے کہ مشرکین قریش کے مقابلہ میں تو مسلمانوں کی
روش کی یہ توجیہ سمجھ میں آتی ہے۔ لیکن نواحی مدینہ کے یہودی
باشندوں سے رسول اللہ نے جن خونی آویزشوں کا سلسلہ شروع
کیا تھا ان کی تاویل کیا ہو سکتی ہی۔

حقیقت یہ ہو کہ یہودیوں کے مقابلہ میں رسول اللہ کی روش
بھی دفاعی تھی۔ اُنہوں نے مشرکین قریش سے ساز باز کر رکھا تھا
برابر دراندازیاں کر رہے تھے مختلف طریقوں سے مسلمانوں
کو پریشان کر رہے تھے۔ ان کی زیادتیوں نے مسلمانوں کو حفاظت
خود اختیاری پر مجبور کر دیا تھا۔

ہماری یہ پوزیشن واقعہ ذیل پر اجمالی نظر ڈالنے سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے :۔

حوالی مدینہ کے یہودیوں سے جنگ بھی مدافعانہ حیثیت رکھتی تھی

اطراف مدینہ میں

یہودیوں کا ایک گروہ بنی قینقاع آباد تھا۔ وہ زرگری کا پیشہ کرتے تھے لیکن یہودی دنیا میں انکے بڑے شہرے تھے رسول اللہ نے ان سے اور بنی قریظہ اور بنی نضیر سے یہ معاہدہ فرمالیا تھا کہ وہ حضرت سے کبھی جنگ نہیں کرینگے۔ اور نہ آپکے دشمنونکو آپ کے خلاف کسی قسم کی مدد پہنچائینگے۔ لیکن جب بدر کی لڑائی مسلمانوں کی کامیابی پر ختم ہوئی تو انہیں یہ فتح بیحد شاق گذری۔ انہوں نے حسد و عداوت کا کھلم کھلا اظہار شروع کردیا۔ ان سے اس قسم کی پیہم حرکات ہونے لگیں۔ جنسے مسلمانوں کی توہین ہو۔ وقار اسلام کو صدمہ پہنچے :۔

ایکمرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ کسی بدوی انصاری مسلمان کی عورت بنی قینقاع کی بازار میں تجارتی ضرورت سے گئی۔ اور ایک زرگر کے قریب

بیٹھ گئی۔ یہودیوں کے ایک گروہ نے چاہا کہ وہ چہرہ کھولدے اُسنے انکار کیا۔ زرگر نے اسکا پلو پکڑا۔ اُسنے اپنی پشت کیطرف باندھ لیا اسی قسم کی اور تکلیف دہ حرکات کی گیئں۔ پشت کیطرف سے اسکا سارا لباس پھاڑ ڈالا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ جب کھڑی ہوئی تو بالکل برہنہ تھی اُنہوں نے ہنسنا شروع کیا۔ عورت نے فریاد کی۔ ایک مسلمان اس کی مدد کو دوڑ پڑا۔ اس زرگر اور مسلمان میں لڑائی ہوئی۔ مسلمان نے اُسے قتل کر ڈالا۔ دوسرے یہودیوں نے اُس مسلمان کو مار ڈالا اس واقعہ نے مسلمانوں میں ایک عظیم ہیجان پیدا کر دیا۔ رسول اللہ جب صورت حال پر مطلع ہوئے تو فرمایا کہ یہودیوں کا ہم سے یہ اقرار نہ تھا۔

پھر آپنے یہودیوں کو جمع کیا۔ اور اُن سے ارشاد کیا کہ قریش پر واقعہ بدر کی صورت میں جو ایزدی عذاب نازل ہو چکا ہی۔ اس سے عبرت حاصل کرو۔ اسلام لاؤ۔ کیونکہ تمہیں اپنی کتابوں سے معلوم ہو چکا ہے۔ کہ میں مرسل ہوں اُنھوں نے اس ارشاد کا یہ گستاخانہ جواب دیا کہ اے محمدؐ تمہارا خیال ہی کہ ہم تمہاری قوم کی طرح ہیں تمہیں قریش پر

قریش پر کامیابی حاصل کر لینے سے خوش ہونا چاہیئے۔ وہ فنون جنگ سے بالکل ناآشنا تھے۔ اگر تم ہم سے مقابلہ کرو گے تو معلوم ہوگا کہ بہادروں سے لڑنیکا کبھی اتفاق ہوا تھا۔

اس پُرغرور جواب کے بعد رسول اللہؐ کیلئے اسکے سوا اور کیا چارہ کار تھا۔ کہ اُن کی اچھی طرح گوشمالی کریں۔

اگر رسول اللہؐ اسوقت سکوت اختیار کرتے تو ان کی ہمتیں و رُبڑھ جاتیں پھر نہ معلوم وہ کیا کیا فتنے برپا کرتے۔ اور کسطرح پیش آتے۔ ان کی نیتوں کی غمازی ان کے طرز عمل سے اچھی طرح ہو چکی تھی۔ انکے گستاخانہ جواب نے انکا ارادہ بے نقاب کر کے سامنے کر دیا تھا۔ جنگ کے آتشگیر مادہ کو وہ پہلی دیا سلائی دکھا چکے تھے۔

ان حالات کے رونما ہو جانے پر رسول اللہؐ کا صبر کرنا مسلمانوں کی تباہی کا پیش خیمہ ہوتا حفاظت خود اختیاری کے ربانی قانون سے فائدہ نہ اُٹھانا دانشمندی نہ ہوتی۔ اسوقت کی نرمی ان کی سازش کی اسکیموں کو غیر معمولی قوت پہنچانے کا موجب ہوتی۔ اور نتیجہ یہ ہوتا کہ مدینہ کی زمین بھی مکہ کی طرح مسلمانوں پر تنگ ہو جاتی۔

یہ حالات تھے جنہوں نے رسول اللہ کو یہودیوں سے بھی تیغ آزمائی پر مجبور کر دیا۔ اور آپ نے اسکا ارادہ فرمالیا۔ کہ انکے بل بھی نکالدیئے جائیں۔ تاکہ مطلع صاف ہوجائے۔ اور اسلام کی شعاعوں کو دور و نزدیک پھیلنے کا موقع اچھی طرح ملجائے۔

ان تمام پہلوؤں پر اگر نظر رکھی جائے تو صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ آپ کی تمام لڑائیوں کی حیثیت بالکل دفاعی تھی۔ اور ان غزوات سے آپکا اصلی منشا امن کا قیام تھا۔

اسلامی جہادوں کا قیاس مسلمان بادشاہوں کی لڑائیوں پر نہیں ہو سکتا

اس مقام پر یہ امر واضح کر دینا ضروری ہے کہ اسلامی جہادوں کو مسلمان بادشاہوں کی لڑائیوں میں خلط ملط نہ کرنا چاہیئے۔ ہمارے مخالفین کی یہ روش کسی منطق و استدلال کی بنا پر درست نہیں ہو سکتی کہ مسلمان بادشاہوں نے اقلیم کشا یانہ حوصلوں کے ماتحت جو لڑائیاں لڑی ہیں اور اسی سلسلہ میں ان سے جو بے عنوانیاں ہوئی ہیں انہیں پیش نظر رکھکر اسلامی جہاد کے حدود متعین کیے جائیں اور پھر اُسے

اعتراضات کا آماجگاہ بنا لیا جائے۔

اسلام نے جہاد کی حدیں خود متعین کر دی ہیں وہ بعض اقتدار پسند سلاطین
کے غلط طریق کار کا ذمہ دار کسی عنوان سے نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ
کا عمل خود ہمارے لیئے دلیل راہ ہے۔

سرمستان جادۂ ثروت کی سیہ کاریوں سے کس قوم اور کس مذہب
کی زندگی کے صفحے خالی ہیں؟ روئے ارض پر قیصرانہ جہانبانی و
جہانداری کے عالیشان ایوان اُٹھانے والوں کی درازدستیوں
کے خونچکاں افسانے کس ملت کی ملکیت نہیں ہیں۔

اصل یہ ہے کہ امارت و تونگری کی تیز و تند شراب کا نشہ کسی خاص
ملک کسی خاص قوم سے مخصوص نہیں ہے۔ انسانیت کے شیشوں کو
ہر ملک میں ہر جماعت میں استبداد و حکومت پسندی کا غرور چکنا چور کرتا
رہا ہے۔ مستعمرانہ بوالہبیت کے شرارے انصاف و دیانت کے دامن سے
برابر کھیلا کیئے ہیں۔ طلائی و نقرئی سکوں کے انباروں نے قوی دست
و قوی بازو افراد میں شیطنت کی قوتیں زور شور سے ہمیشہ اُبھاری ہیں
جولیس سیزر، ہنیبال، یزید، نپولین جیسے اقتدار پرست کہاں نہیں

پیدا ہوئے۔ سر پر سلطنت پر عفریتی غرور و استبداد کے خوفناک مجسموں کو مُنہ میں کف بھرے آنکھیں لال انگارا بنائے آستین کہنیوں تک اُلٹے ہاتھوں میں بیگناہوں کا خون بہانے والی تلواریں لیئے کس ملک نے کس قوم نے نہیں دیکھا ہی ٭

اسلام کے ساتھ یہ بہت بڑی بے انصافی ہو کہ ایسے بدنام طبقہ کی فہرست جرائم اسکے سر عائد کردیجائے۔ اس طبقہ کا وجود اسلام کی تعلیمات کا نتیجہ نہیں ہے اس کی پیدایش کا اگر سراغ لگانا ہے تو انسانی فطرت کے ان رجحانات کا جائزہ لیا جائے۔ جنکا خمیر نشاط پسندی وعیش کوشی وتوسیع اقتدار کی بوالہوسانہ خواہشوں سے مخصوص افراد میں خاص حالات کے ماتحت تیار ہوتا ہی۔ وہ اپنی جہاں کشائی واقلیم گیری کے حوصلوں کو اسلام کا لباس پہنائیں یا عیسائیت کا لیکن انکے تیوروں سے باہوش دُنیا یہ اچھی طرح سمجھتی ہی۔ کہ وہ انسان ہیں یا انسانوں کی شکل میں درندے ٭

مذہب کے پردے میں توسیع مملکت کے خونیں کھیل اقتدار کے پیاسوں حکومت کے بھوکوں کی طرف سے برابر کھیلے گئے ہیں لیکن حقیقت شناس

نگاہیں اُسے مذہب کا جزو نہیں سمجھتیں اسی بنا پر ہم ایک مرتبہ پھر اسکا اعادہ کیئے دیتے ہیں کہ:۔

"اسلام مسلمان بادشاہوں کی لڑائیوں کا ذمہ دار نہیں ہے"

لیکن اسکا منشاء یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ ہم تمام مسلمان بادشاہوں کی لڑائیاں سفاکانہ فطرت کا نتیجہ سمجھتے ہیں اور ان کی تمام آویزشیں ہمیں بیگناہوں کے خون کی بو دیتی معلوم ہوتی ہیں۔

رسول اسلام راہب نہ تھے

رسالتمآبؐ کی سیرت پر نکتہ چینی کے خواہشمند ونکو یہ اچھی طرح جاننا چاہیئے کہ جناب محمدؐ راہبانہ زندگی بسر کرنے کے حامی نہ تھے۔ دنیوی تعلقات سے بالکل علیحدہ ہو کر جنگلوں اور ویرانوں میں دن گذارنا انکا مقصد نہ تھا۔ وہ دنیا میں رہکر خدمت خلق کو اپنا مسلک قرار دینا مسلمانوں کا شیوہ بنانا چاہتے تھے۔

اسکے لیئے سوسائٹی میں رہنا اور ان تمام تعلقات کا اختیار کرنا جو سوسائٹی جائز طور سے اپنے ہر فرد پر عائد کرتی ہے۔ لازمی تھا۔

مسٹر ایچ۔جی۔ ویلز کی یہ سخت غلطی ہے کہ وہ رسول عربؐ کا مقابلہ

ان لوگوں سے کر نے بیٹھے ہیں جنکا شعار راہبانہ زندگی بسر کرنا تھا جنہوں نے زندگی کی تمدنی اور معاشرتی پیچیدگیوں سے یا تو تعلق پیدا ہی نہیں کیا۔ یا اگر تعلق تھا تو اُسے منقطع کر دیا۔

حضرت عیسیٰ نے عمر بھر شادی نہیں کی۔ گوتم بدھ نے نہ صرف بیوی اور بچوں کو بلکہ ملک موروثی کو بھی یکلخت چھوڑ کر بادیہ پیمائی اختیار کر لی۔

حضرت عیسیٰ کی زندگی بالکل سادہ رہی۔ انہیں جہانبانی اور جہانداری کا موقع حاصل نہوا۔ دُنیا میں اِدہر اُدہر پھرتے اور معرفت کردگار کے سبق دیتے رہے۔ انہیں زندگی میں اپنے ہمخیال بہت کم ملے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورتوں میں انہیں باہمی معاشرت کے پیچیدہ کوچوں سے گذرنے کا موقع ہی نہیں تھا۔

جناب سرور کائنات کی زندگی اس سے بالکل مختلف تھی۔ مکہ ہی میں آپکے ماننے والے کافی تعداد میں ہو گئے تھے آپکی بیویاں بھی تہیں بچے بھی۔ اور دوسرے اعزا واحباب بھی۔ اسلئے آپکو چاہئے اپنے نفس کا کچھ خیال ہوتا یا نہوتا۔ لیکن حکیم وقت ہونے کی حیثیت سے

ان لوگوں کی حفاظت آپ پر لازمی تھی. آپ اصحاب کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لیگئے تھے آپکے اصحاب کی مالی حالت بہت زیادہ خراب ہو رہی تھی. منافقین اور مدینہ کے یہودیوں کی شرارتیں روز بروز بڑہتی جارہی تہیں. کفار قریش کے حملوں کا خوف علیحدہ تھا آپکے مسلک میں خودکشی روا نہ تھی. دیدہ و دانستہ بغیر کسی مجبوری کے اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالدینا آپ کی شریعت میں قطعاً حرام تھا. نیز ابھی آپکو دنیا میں بہت سے اصلاحی کام کرنا تھے. اس قسم کی صورتیں نہ حضرت عیسیٰ کو پیش آئیں نہ گوتم بدھ کو؛

انکی تبلیغ کا مذاق ہی جداگانہ تھا. انہیں تلوار اُٹھانیکا موقع ہی کیا تھا؟ مسٹر ایچ. جی. ولز جناب محمدؐ کی شخصیت ان لوگوں کے مقابلہ میں چاہے کتنی ہی پست دکھلائیں لیکن اصل یہ ہی کہ رسول اللہ کی زندگی ان حضرات سے زیادہ مفید تھی. انمیں سے اتنی جامع. اور مکمل تعلیم کوئی صاحب بھی پیش نہ کرسکے تھے. انسانی زندگی کے ہر علمی اور عملی شعبہ پر اس تفصیل سے نظر ڈالنے کا شرف اُن میں سے کسی کو بھی حاصل نہوا تھا. وہ بہترین انسان کی خود زندہ مثال تھی.

حضرت عیسیٰؑ اور گوتم بدھ سے انسانیت کے صرف روحانی عنصر کی تکمیل ممکن تھی لیکن اُسی حالت میں جبکہ انسانی علائق سے علیحدہ ہوکر بیوی بچوں سے الگ ہوکر کوہ و دشت جنگل اور بیابان کی زندگی بسر کیجائے۔ ظاہر ہے کہ اسطرح کی راہبانہ زندگی سارے عالم کیلئے نہیں ہوسکتی۔ اور اگر ساری دُنیا اس کلیہ پر عمل پیرا ہو تو پھر عالم کی عمر محض موجودہ نسلوں کی بقا تک محدود ہو کر رہجائیگی۔ اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد صرف اللہ کا نام باقی رہجائیگا۔ نہ مذہب ہوگا اور نہ مذہب کی پیروی کرنیوالے ہر عاقل کیلئے اس امر کا تسلیم کرنا ناگزیر ہے کہ ہمارے رسول کیطرح جو عملی افراد ہوتے ہیں اُنہیں کبھی تو امن و امان کے شاداب چمن میں گلچینی کا موقع ملتا ہے۔ کبھی حرب و ضرب کے جوئے خون میں شناوری کرنا ہوتی ہے *

موقع اور وقت کے لحاظ سے ان کی یہ دونوں روشیں حکیمانہ ہوتی ہیں۔ حقیقت شناس نگاہوں کو صرف یہ دیکھ لینا چاہیئے کہ ان دونوں حالتوں میں کامل انسانیت کا رنگ موجود ہے۔ ورنہ زندگی کے آثار تو کہیں پیدا نہیں ہو گئے *

اسلامی جہادوں کی چند خاص خصوصیتیں

ہمارے یورپین احباب کا خیال ہو

کہ آجکل اُن کی تہذیب تمدن کی پرواز بہت اونچی ہو چکی ہو ان کی شائستگی کا عروج نقطۂ کمال پر ہے انکے سیاسی قوانین میں انسانیت کا عنصر اچھی طرح سمو دیا گیا ہے بلیکن اگر ان دعوؤں کا جائزہ لیا جائے اور ان ممالک کی اندرونی و بیرونی سیاست پر نظر ڈالی جائے تو یہ اچھی طرح معلوم ہو سکتا ہو کہ انصاف کے پردہ میں کتنی بے انصافیوں کا ارتکاب کیا جا رہا ہو. پیمان شکنی. بیرحمی. خداعی عضب ممالک کون سے ایسے اخلاق جرائم ہیں. جنسے یہ سلطنتیں پاک ہیں. کمزور ممالک پر قوی بازو دول یورپ کی دراز دستیوں کا مختلف عنوانات سے جو سلسلہ جاری ہو آج بیسویں صدی میں اُن سے کون پڑھا لکھا بیخبر ہے ✦

ہمارے یہ مورخین اپنے گریبانوں میں مُنہ ڈالیں اور سوچیں کہ ان حالات کی موجودگی میں باوصف ادعائے تہذیب و شائستگی انکا اسلام اور بانی اسلام کے خلاف بیرحمی و سفاکی و غارتگری و پیماں شکنی کے الزامات لگانا ستم ظریفی نہیں تو اور کیا ہو؟ ✦

دنیا والو! خوب سمجھ لو ہمارے رسولؐ صحیح معنوں میں بگڑی ہوئی انسانی سوسائٹی کی اصلاح کیلئے مبعوث ہوئے تھے۔ اسلیئے انکا فریضہ تھا۔ کہ انسانی فطرت سے اُن چیزوں کا مطالبہ نہ کیا جائے جو اسکی قوت سے باہر ہوں مختلف حالات کے ماتحت جنگ کا وجود ممکن ہے اسکی اجازت دینا ضروری تھا اور پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ میدان جنگ دوستانہ مصافحوں اور معانقوں کا محل نہیں ہوتا۔ وہاں تیغ و سناں تیر و خنجر کی حکومت ہوتی ہے لیکن غور سے دیکھو کہ ان خونی آدمیوں کو بھی اُس مصلح اعظم نے جسے تم اپنی شوخی سے خونخوار و غارتگر کہتے ہو انسانیت کی سطح سے گرنے نہیں دیا ہر غزوہ میں عملی حیثیت سے ان امور ذیل کا لحاظ رکھا ہے:-

(۱) عورت۔ لڑکا۔ بڈھا یا ضعیف نہ مارا جائے:-

(۲) ناک۔ کان نہ کاٹے جائیں:-

(۳) عبادت کرنیوالے اور گوشہ نشین قتل نہ کیئے جائیں۔ اور نہ انکے معبد کھودے جائیں:-

(۴) کوئی ثمر دار درخت نہ کاٹا جائے۔ اور نہ کوئی کھیت برباد

کیا جائے۔

(۵) کوئی عمارت اور آبادی ویران نہ کیجائے۔

(۶) مواشی کی کونچیں نہ کاٹی جائیں۔

(۷) انصاف اور عدل کا برتاؤ رہے اور کسی پر جبر و ظلم نہونے پائے۔

(۸) مخالفین سے جو عہد و پیمان کیا جائے۔ اُسے ضرور وفا کیا جائے۔

(۹) لڑائی دفعتہً نہ شروع کی جائے بلکہ اتمام حجت کے بعد۔

ظاہر ہے کسی جنگ میں اگر ان تمام امور کا لحاظ رکھا جائے تو اس کی سفاکانہ حیثیت زائل ہوسکتی ہے۔ یورپ اپنی تمام ترقی کے دعووں کے باوجود ابتک حالت جنگ میں ان امور کا لحاظ نہیں رکھ سکا ہے۔ رسول اللہ نے جتنی لڑائیاں لڑی ہیں اُن میں ان تمام باتوں کا سختی سے لحاظ رکھا گیا ہے اصول رحم و انصاف سے آپ کبھی سر مو نہیں ہٹے ہیں جس مقام پر جسقدر سختی کی ضرورت تھی۔ اُس سے زیادہ آپ نے کبھی اختیار نہیں کی۔

ان تمام باتوں کے موجود ہوتے ہوئے ہمارے بعض مہربان مستشرقین کا یہ ارشاد کہ اسلام کی تعلیم سفاکی پر مشتمل ہے۔ معاذ اللہ رسول

خونخوار تھے۔ ایک دیانتدار مورخ سے سند قبولیت حاصل نہیں کر سکتا۔

رسول اللہ کی مفاہمت پسندی پر مسٹر ایچ۔ جی۔ ولز کی طعن کی حقیقت

رسول اللہ کے پیش نظر صرف ایک مقصد تھا۔ دُنیا کی علمی و عقلی اصلاح اسکے لیئے کبھی تلوار ہاتھ میں لینا پڑی کبھی صلح کیلیئے آگے بڑہنا پڑا۔ دائرے بدلتے رہے۔ لیکن مرکز ایک ہی رہا۔ جو شخص ربانی ہدایات کا انسانی زندگی کے ہر شعبہ کو پابند کرنا چاہے اسکا ان تمام امور سے دوچار ہوجانا لازمی ہے۔ اُسے بعض حالات میں جنگ کے لیئے آستینیں اُلٹنا پڑینگی بعض حالات میں صلح کیلیئے ہاتھ بڑہانا ہوگا کہیں سختی سے کام لینا ہوگا کہیں نرمی سے ؛

یہ امر اتنا واضح ہے کہ اسپر کسی استدلال کی ضرورت نہیں ہے۔ میں متحیر ہوں کہ مسٹر ایچ۔ جی۔ ولز نے رسول اللہ کی اس روش کا مضحکہ اُڑانا کیوں ضروری خیال کیا۔ کیا اُنکے نزدیک مفاہمت پسندی ایک روحانی انسان کی سیرت کا جز نہیں ہوسکتی ؛

میں نہیں سمجھتا کہ اگر تقاضائے وقت ہو اور جو اعلیٰ مقصد پیش نظر ہے

اُس میں کوئی خلل بھی واقع ہوتا ہو تو پھر مفاہمت میں جو فی نفسہ مذموم بھی نہیں ہے۔ کیونکر کوئی قباحت پیدا ہوسکتی ہے*

صلح حدیبیہ کی مصلحتیں حدیبیہ کے موقع پر آپ نے کفار قریش سے صلح کی ہے اور یقیناً اس موقع پر آپ کی یہ روش بالکل مقتضائے وقت کے مطابق تھی۔ اُسکے بعد کے نتائج نے اچھی طرح ثابت کر دیا کہ آپکا اُس موقع پر جو طرز عمل رہا ہے وہ نہایت حکیمانہ تھا*

یہاں اس واقعہ کی فی الجملہ تفصیل ضروری ہے*

سنہ ۶ھ میں آپ نے حج کا ارادہ فرمایا۔ کعبہ کی زیارت کا دلمیں شوق، وطن جانیکی خوشی۔ بہت سے مہاجر اور انصار سامان سفر میں مشغول ہو گئے۔ مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد آپکے ہمرکاب ہو گئی قربانی کے لئے ستر اونٹ ساتھ لئے گئے۔ قریش کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو اُنھوں نے مزاحمت کا ارادہ کیا*

جناب سرور کائنات کو جب قریش کے عزم فاسد کی اطلاع ہوئی تو مکہ کے قریب ایک منزل پر چاہ حدیبیہ کے پاس ٹھہر گئے۔ ایلچیوں کی

آمد و رفت شروع ہوئی ✤

بالآخر کفار قریش نے مسلمانوں کو حج نہیں کرنے دیا۔ اور انہیں صلح کر کے واپس آنا پڑا۔ صلحنامہ تین شرطوں پر مشتمل تھا ✤

(۱) پہلی شرط یہ تھی کہ دس برس کیلئے مصالحت کیجائے اور اس درمیان میں ایک فریق دوسرے فریق کے مال یا جان سے کوئی تعرض نکرے۔

(۲) اس سال مسلمان واپس جائیں آئندہ سال حج کرنے آئیں ✤

(۳) کوئی مکہ کا کافر اگر مسلمان ہو کر مدینہ جائے تو رسول مقبول اُسکے ولی کی درخواست پر اُسکو ولی کے حوالہ کر دیں۔ لیکن کوئی مسلمان مرتد ہو کر مکہ واپس جائے تو اُسے مدینہ لوٹایا نہیں جا سکتا ✤

اس معاہدہ کی تیسری دفعہ مسلمانوں کو بہت سخت معلوم ہوئی کیونکہ اُسکے ظاہری لفظوں سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ مسلمان دب کر صلح کر رہے ہیں۔ لیکن یہاں ان امور کا تو کوئی سوال نہ تھا۔ آپکو صرف یہ دیکھنا تھا کہ تبلیغی کام میں رکاوٹیں تو نہیں پیدا ہو جائینگی۔ کفار قریش کی گوشمالی ایک حد تک ہو چکی تھی اس قسم کی مصالحت میں کوئی مضائقہ نہ تھا۔ تبلیغ کیلئے سہولتیں کافی حاصل ہو رہی تھیں۔ رسول خواہ مخواہ تو انسانی

خون بہانا چاہتے نہیں تھے۔ جو اس مقام پر ظاہری اقتدار کے بقا

وزوال کا سوال سامنے آتا ÷

اگر دقت نظر سے دیکھا جائے تو یہ امر کہ اگر کوئی مسلمان مرتد ہو کر مکہ

واپس جائے تو قریش واپس نہ کریں لیکن اگر کوئی کافر مسلمان ہو کر مدینہ چلا

جائے تو ولی کی درخواست پر رسول اس سے واپس کر دیں مسلمانوں کیلئے

حقیقتاً مضر نہیں تھا ÷

رسول کو مرتدین کے واپس لینے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ایسے

مضطرب الخیالات اور متزلزل منش افراد کا مسلمانوں سے علیحدہ رہنا

ہی اچھا تھا۔ اور اگر کفار صدق دل سے مسلمان ہو گئے تو پھر اگر انہیں

کفار واپس بھی بلا لیں تو نقصان کیا ہے ÷

اول تو مسلمانوں کا کفار کے مجمع میں ٹھہرنا مشکل تھا۔ اور اگر ٹھہر بھی جاتے

تو یہ ماننا پڑیگا کہ تبلیغی اغراض کے آگے بڑھانے کیلئے۔ بہر حال فائدہ

سے خالی نہیں ہوتا ÷

بعد میں بہت جلد معلوم بھی ہو گیا کہ یہ شرط کفار کیلئے پوری مضرت

رساں ثابت ہوئی ÷

اسکے سمجھنے کیلئے صلح حدیبیہ کے بعد والے حصے پر نظر کرنا ضروری ہی +

ابوبصیر بن اسد مکہ سے مسلمان ہوکر مدینہ بھاگ آئے اُنکے لینے کیلئے دو شخص مکہ سے آئے اُن حضرات نے صلحنامہ کے مطابق ابوبصیر کو اُن دونوں آدمیوں کے حوالہ کردیا۔ ابوبصیر یہاں سے تو ساتھ ہی تھے لیکن راستہ میں انہوں نے دہوکہ سے ایک کو مار ڈالا اور دوسرے کا تعاقب کیا وہ بھاگا ہوا سرور کائنات کے پاس آیا۔ اور آپنے اُسے ابوبصیر کے ہاتھ سے بچایا۔ ابوبصیر کو یہ کھٹکا ہوا کہ شاید دوسروں کے ساتھ پھر مکہ بھیجدیئے جائیں اسلیئے ایکدن وہ مدینہ سے چل کھڑے ہوئے اور ساحل بحر کے قریب ایک مقام عیص نامی میں رہنے لگے۔ ابوجندل بھی خبر پاکر سیطرح اُنکے پاس پہونچگئے۔ نوبت باینجا رسید کہ جو مکہ سے بھاگتا وہ سیدھا عیص میں چلا جاتا۔ مدینہ کا رُخ بہی نہ کرتا۔ کہ معاہدہ کی پابندی آنحضرت کو اُسکی حوالگی پر مجبور کرتی +

آہستہ آہستہ ایک بڑی جماعت مسلمانوں کی وہاں مجتمع ہوگئی اور وہ قریش کے قافلوں کیلئے ایک مستقل خطرہ بنگئی +۔ اُنکا کوئی قافلہ ان مسلمانوں کے حملوں سے محفوظ نہیں رہتا تھا۔ کفار قریش نے تنگ آکر آنحضرت کے

پاس کہلا بھیجا کہ ہم لوگ شرط سوم سے باز آئے آپ اپنے مسلمانوں کو عیص سے طلب کر لیجیے۔

یہ تمام منزلیں طے کر کے ہجرت کے چند برس بعد مسلمان ہونا قریش کے قومی قانون میں جرم کی حیثیت سے علیحدہ ہوا۔

کیا اس صلح کا ایک بیّن فائدہ یہ نہیں ہوا کہ گو اسکے بعد تمام ارض حجاز میں مسلمانوں کی حکومت کا سکہ تو نہیں چلا لیکن واحد لاشریک معبود برحق کا نام لینا اور جناب ختمی مرتبت کو اُسکا سب سے بڑا رسول کہنا کوئی جرم نہیں رہا۔

ہر شخص اطمینان کے ساتھ اعلانیہ ارکان اسلام ادا کرتا تھا اور دوسروں کو مسلمان ہونے کی ترغیب دیتا تھا۔ رسول کے پیش نظر اسی آزادی کا حاصل کرنا تھا تاکہ تبلیغ میں کوئی دشواری نہو! وہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں ربانی اخلاق و تمدن کی روشنی پہونچائی جاسکے۔ صلح کرنا کوئی جرم نہیں تھا۔ پھر اس سے یہ فائدہ کیوں نہ اُٹھایا جاتا۔

درحقیقت کسی شخص کی سیرت کا جانچنا اور اُسکے متعلق صحیح رائے قایم کرنا بہت بڑی دماغی و اخلاقی ریاضت چاہتا ہے۔

واقعات کی اُلٹ پھیر اور اُن میں ذرا سا تغیر و تبدل نتائج کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتا ہے ٭

اسکے لیئے بڑی کاوش کی ضرورت ہے، ٭

دماغ کے گوشہ گوشہ کا پہلے جائزہ لے لینا چاہیئے کہ اس شخصیت کے خلاف کہیں انہیں ملکی و قومی تعصبات اور دوسرے رجحانات تو چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ جو کمینگاہوں میں میٹھے میٹھے زہر پھیلاتے رہیں اور ہماری مساعی کو حقیقی معنوں میں شرمندۂ کامیابی نہ ہونے دیں ٭

افسوس ہے کہ ایسے اہم معاملہ میں ہمارے مستشرقین نہایت غیر محتاط واقع ہوئے ہیں ٭

اوّل تو اُن کی سیرت نگاری کا نقطۂ آغاز ہی بیشتر غلط ہوتا ہے زیادہ تر خاص مقاصد کی اشاعت اس عنوان سے اُنکے پیش نظر ہوتی ہی۔ اسلیئے اُن کی کوشش یہی ہوتی ہی کہ اپنے مخصوص رجحانات و تعصبات کو خوبصورتی سے واقعات کا جزو بناتے جائیں ٭

نتائج کے اخذ کرنے میں بھی وہ کسی خاص آئین کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے منطقی طور سے وہ نتیجہ نکلے یا نہ نکلے لیکن اُنہیں مغالطہ انگیز

عبارتوں کے ساتھ ناظرین کے سامنے پیش کردینا ضروری ہی ٭

قیامت یہ ہے کہ اُنکے یہ بے اصول تاریخی تحقیقات موجودہ دور میں وقعت

کی نگاہوں سے دیکھی جارہی ہیں اُنکے اس علمی ذخیرہ سے واقفیت

ہمارے مصنفین میں رواداری کا سامان بنی ہوئی ہے ٭

ہمارے زمانہ کے دو[۲] زندہ مستشرقین مسٹر مارگولیتھ اور مسٹر نکلسن نے

عربی ادبیات کی تاریخ لکھنے میں جو فاحش غلطیاں کی ہیں اُنکا تذکرہ میرے

اسوقت کے دائرہ بحث سے خارج ہے۔ لیکن اصل یہ ہی کہ ان لایق مستشرقین

کے تاریخی افادات احتیاط سے قبول کیئے جانے کے قابل ہوتے

ہیں خصوصیت سے اُسوقت جبکہ اُن کی یہ دردسری مشرق کی کسی ایسی

خاص شخصیت کے متعلق ہو جس کی سیرت میں بعض بدنما خصوصیات کا

سُراغ لگالینا اُنکے ملکی و قومی مفاد کے لیئے ضروری ہو ٭

زیادہ تر انکے تاریخی ماخذ کمزور ہوتے ہیں۔ روایات کی علمی جانچ

پرتال سے اُنہیں کوئی علاقہ نہیں ہوتا۔ پھر قومی جنبہ داریوں کا

رنگ اُن میں علیحدہ ملادیا جاتا ہے ٭

یورپ اسلام کے مقتداوں کے متعلق جس قسم کا لٹریچر آجکل مہیا

کر رہا ہی۔ اُس کی یہ ممتاز خصوصیت ہے،

مسٹر ایچ جی ولزنے اپنی آوٹ لائن آف ہسٹری میں دس گیارہ صفحے جو اسلام اور بانی اسلام کی نذر کیئے ہیں اُنمیں خود اس قسم کی غلطیاں موجود ہیں آپنے جناب امیرؑ کو رسول اللہ کا بھتیجا لکھدیا ہی۔ اسلامی تاریخ سے اسقدر ناآشنا ہونیکے باوجود آپ جناب سرور کائنات اور جناب امیرؑ کو معمولی شخص نہیں قرار دینے کی سعی نامشکور کے لیئے اُٹھے ہیں۔ اس خاص موضوع پر میں نے ایک مختصر مضمون جمادی الثانی کے سرفراز لکھنؤ میں لکھا تھا جسکا اس جگہ نقل کرنا فائدے سے خالی نہیں

"موجودہ زمانہ میں دُنیائے یورپ کو جو عام سیاسی اقتدار حاصل ہو گیا ہے۔ اُسکا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا ہی کہ ہر بات کے آخری فیصلے کیلیئے ہماری نگاہیں اُسی کی طرف اُٹھتی ہیں کسی قسم کا مسئلہ ہو کسی قسم کی بحث ہو۔ مغربی افاضل کی رائے اُن کی تحقیق قول فیصل کا حکم رکھتی ہی۔ ایسا کیوں ہے اسلیئے کہ ہمیں اپنے دماغوں پر اپنی فہم پر اعتماد نہیں رہا سیاسی حیثیت سے جو قومیں عرصہ تک محکومی اور غلامی کی زندگی بسر کرتی ہیں۔ اُنہیں حکمراں اقوام کیطرف سے یہ عام مرعوبیت الغام میں ملتی ہی۔

ظاہر ہے کسی قوم کی دماغی کارناموں پر اتنا اعتماد علمی نشوو نما کیلئے سخت نقصان دہ ہے۔

علمی وادبی خدمت گذاروں کا فرض ہے۔ کہ وہ دماغی غلامی کی ان زنجیروں کو جس قدر جلد ممکن ہو توڑ دیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یورپ کا فلسفہ اور سائنس اچھی خاصی غلطیوں کے علمبردار ہیں اُنکے تاریخی تحقیقات کے خزانے میں خذف ریزے کافی موجود ہیں۔ اس علم و حکمت کی کان سے جتنے جواہر آمد ہوتے ہیں وہ سب لعل و زمرد نہیں ہوتے۔

مجھے ذاتی طور سے اُن کی تحقیقات کا کسیقدر علم ہے جو اسلام اور اسلامی علوم کے متعلق فرمائی گئی ہیں۔ مجھے اسکے ظاہر کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ اُن میں تاریخی چھان بین اور علمی نکتہ نوازیوں کے نشان کم ملتے ہیں۔ زیادہ تر کچھ غلط خیالات ہوتے ہیں جنھیں منجھی ہوئی سیاست کی زبان میں ادا کر دیا جاتا ہے۔ کچھ جھوٹے واقعات ہوتے ہیں جنھیں خوبصورت لفظوں کا لباس پہنا کر دنیا کے سامنے پیش کر دیا جاتا ہے۔

فن تاریخ آسان نہیں ہے۔ معمولی سے معمولی واقعہ کی جانچ پڑتال کیلئے ہزاروں کتابوں کے صفحے الٹنا ہوتے ہیں۔ اور پھر ہر طرح کے تعصب سے علیحدہ ہوکر اس واقعہ کو اُنہیں لفظوں میں قلمبند کرنے کی کوشش کیجاتی ہے۔ جنپر مغالطہ انگیزی کی چھاوں بھی نہ پڑی ہو۔

یوروپین مورخین جن کی تحقیق کے ہر طرف ڈنکے بج رہے ہیں۔ جن کی تقلید ہمارے موجودہ علمی محفلوں کے سجانے والوں کی تمامتر کائنات ہے۔ ان میں سے کسی امر کی پروا نہیں کرتے۔ اسلامی تاریخ کے صحیح ماخذوں سے اُنہیں کوئی ربط نہیں اُنہیں اس سے کوئی بحث نہیں کہ احادیث و روایات کے اس بڑے ذخیرہ میں سے سچے موتی کیونکر چنے جائیں۔ عربی عبارتوں کا غلط مطلب سمجھکر اسلامی تاریخ کے اہم واقعات پر جسارت کیساتھ رائے زنی کے لیئے تیار ہوجانا یوروپین مورخین کی امتیازی خصوصیت ہے یورپ کا یہ تاریخی ذخیرہ تحقیق کی وہ توہین ہے جسے علمی دل و دماغ رکھنے والے افراد کبھی برداشت نہیں کرسکتے۔

مارگولیتھ نے اسلامی تاریخ و ادب کے متعلق جسقدر غلط واقعات

کا انبار لگا دیا ہے۔ وہ کبھی فرصت میں سنیگا÷

اسوقت میں یورپ کے ایک اور مورخ کو ناظرین سے روشناس سرفراز کرنا چاہتا ہوں جس کی شہرت کی داستانیں ہر زبان پر ہیں÷

مسٹر ایچ. جی. ولز آجکل یورپ کے ادبی گروہ کے میر کارروان سمجھے جا رہے ہیں. وہ ناول نگار بھی ہیں اور مورخ بھی÷

اُن کی حجیم و ضخیم کتاب ۱۲۱۰ صفحوں کی آوٹ لائن آف ہسٹری کے نام سے حیات اور انسان کے موضوع پر نکلی ہے÷

اس کتاب میں دس بارہ صفحہ رسالتمآب کی نذر کئے گئے ہیں جب توقع نہ واقعات کی صحت کا لحاظ رکھا گیا ہے اور نہ رائے قایم کرنے میں منطقی اصول کی پیروی لازمی سمجھی گئی ہے÷

جناب سرور کائنات پر غلط الزامات لگانے کی سعی لاحاصل ہی تاریخی تحقیق کی منتہائے پرواز سمجھ لی گئی ہے. انصاف پسندی کا ادعا قریب قریب ہر لفظ سے تراوش کرتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ انصاف کو دور سے بھی چھونے کی زحمت نہیں اٹھائی گئی ہے÷

کاشکہ واقعات ہی صحیح لکھے جاتے مگر اس سے بھی ذعلاقگی رہی

رکھی گئی۔

اسلامی تاریخ کا جسنے سرسری بھی مطالعہ کیا ہی وہ جانتا ہی۔ کہ جناب امیر رسول اللہ کے عمزاد بھائی تھے لیکن ایچ۔ جی ولز کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت علی رسول اللہ کے بھتیجے تھے :-

اسلامی تاریخ کی یہ واقفیت فی الحقیقت قابل قدر ہی اور یورپ کے تاریخی حلقے معلومات کی اس صحت پر قابل مبارکباد ہیں :-

صفحۂ ۳۰۸ پر ایچ۔ جی ولز رقمطراز ہیں :-

"آپکے کئی بچے تھے جنمیں سے ایک کا نام عبد مالف (مناف) تھا یعنی مکہ کے بُت مالف کا خدمتگذار۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہی کہ اسوقت تک محمدؐ نے مذہب کے متعلق کوئی انکشاف نہیں کیا تھا" :-

مسٹر ایچ۔ جی۔ ولز کا اس سے بظاہر یہ منشا ہی کہ اُسوقت تک رسول اللہ توحید کے قائل نہوئے تھے اور نہ اُنھوں نے بت پرستی سے کنارہ کشی کی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آپکے ایک صاحبزادہ کا نام عبد مالف (مناف)

اُن مورخین نے جنکی تحقیق تحقیق ہی۔ رسالتمآب کے تین لڑکے لکھے ہیں۔ قاسم ابراہیم ابوعبیداللہ جنکا لقب طیب و طاہر ہے۔ کیونکہ بعثت کے بعد پیدا ہوئے تھے بعض مورخین نے طیب و طاہر اور لڑکوں کا نام قرار دیا ہے اسطرح آپکے لڑکے اُنکے نزدیک پانچ ہیں۔ قاسم۔ ابراہیم ابوعبداللہ۔ طیب۔ طاہر*

خدا جانے ایچ۔ جی ولز کی اس تاریخی تحقیق کا ماخذ کیا ہی کہ رسول اللہ کے ایک صاحبزادہ کا نام عبد مالف تھا*

اسلام کے کسی ثقہ مورخ نے اس واقعہ کا تذکرہ نہیں کیا ہے ممکن ہو اُن تاریخی افسانوں میں اسکا سُراغ لگ جائے جو بدقسمتی سے اموی و عباسی دور میں بعض مصلحتونکے ماتحت اختراع کیئے گئے ہیں اور جنھیں یورپ نے بڑے شوق سے سُنا ہی اور اُن سے اسلام کے رسوا کرنیکا کام لینا چاہا ہی البتہ رسول کے اجداد میں ایک بزرگ کا نام عبد مناف ضرور ہے۔ بہت ممکن ہی مسٹر ایچ۔ جی۔ ولز کو یہیں مغالطہ ہوا ہو اور اُنھوں نے اسلامی تاریخ سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے یہ سمجھ لیا کہ عبد مالف رسول اللہ کے لڑکے تھے*

ظاہر ہے اس کمزور بنیاد پر اُنھوں نے رسول اللہ کے ابتدائی زمانہ میں بُت پرست ہونے کی جو عمارت اُٹھائی ہے وہ قایم نہیں رہسکتی۔

ناظرین انصاف فرمائیں کیا ایک ذمہ دار مورخ کا یہ فریضہ نہیں ہے کہ وہ ایسے اہم مسائل پر رائے قایم کرتے وقت جزئیات متعلقہ کی پوری چھان بین کرے تاکہ ایسی مشتبہ باتیں اُسکے قلم سے نہ نکلیں۔

بہت ممکن ہو کہ یہ نئی نئی تحقیقیں پروپیگنڈا کے شاخسانے ہوں اور اسلام کو ان حربوں سے شکست دینے کی سازشیں کرلی گئی ہوں

ایسی حالتمیں علمی دُنیا کا یہ اہم فریضہ ہو کہ ان لاآلی مصنوعہ کو جو مغربی سیاست کے کارخانوں میں تیار کیئے جارہے ہیں۔ مسترد کرنے کے لیئے متفقہ طور سے اُٹھ کھڑی ہو۔

یورپ پروپیگنڈا کے فن شریف میں کامل سہی لیکن اُسکے یہ تاریخی جواہر پارے مبصرین کی نگاہوں میں سنگریزوں سے زیادہ قدر کے مستحق نہیں اس واقعی یا مصنوعی بیسر وسامانی کے باوجود اُس کی علمی و تاریخی ساکھ زیادہ دنوں تک قایم نہیں رہسکتی۔

ہمارے یہ مہربان اچھی طرح جان لیں کہ اس قسم کے غلط حربوں

سے اسلام اور بانیٔ اسلام کے اُن احسانات کو ہلکا نہیں کیا جاسکتا۔ جنکے بار سے عالم انسانیت کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں ؂

اسلام کی تعلیمات صحیح معنوں میں امن کی نقیب ہیں۔ رسول اللہ نے قیام امن عملی حیثیت سے اپنے پیش نظر رکھا ہے ؂

البتہ اُسنے انسانی فطرت کی کمزوریوں سے چشم پوشی نہیں کی ہو مخصوص حالات میں جنگ کی اجازت دی ہے ؂

ظاہر ہے اُس کی یہ اعتدالی تعلیم جس قدر مکمل اور بشری فطرت کے مطابق ہے۔ اتنی وہ تعلیم نہیں ہوسکتی جو یا تو سرے سے جنگ کے مخالف ہے۔ یا جنگ ہی وحشی درندوں کی طرح اُسکا نصب العین ہو ؂

یوروپین مورخین اور اُن کی پیروی میں دوسرے غیر مسلم ہندوستانی بھائی اپنے خاص اغراض کے ماتحت اُسے جتنا چاہیں بدنام کریں لیکن وہ کبھی استدلال و برہان کی دیانت سے اس مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتے ؂